

مولوی عتیق الحق فرید

کا

تیسر اخطبہ

داستان ریختہ

مصنف

خواجہ عبدالمحیمد

ٹیا محل - دہلی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

داستانِ رحیمیہ

سامانِ سفر بذھار کھا ہے۔ رات کی ریل سے مولوی عشق الحقیق صاحب روائہ ہونے والے ہیں۔ شام کے چار بیکے ہیں۔ نوکرا طلاع کرتا ہے۔ وہ غضا تشریف لائے ہیں۔ مولوی صاحب حیران رہ جاتے ہیں۔ آپ کو تعجب ہو گئے۔ حیران رہ جانے کی کیا بات۔ یہ بھی دہلی والے وہ بھی دہلی والے۔ یہ نوابزادے وہ شریف زادے۔ ملنے پڑے آئے تو کیا ہوا۔ واقعہ یہ ہے ایک زمانہ تھا۔ یہ بھی جوان سنتے دہ بھی جوان۔ آپس میں بڑا دستاری تھا گھٹٹوں صحبت رہتی۔ ایک دن باتوں باتوں میں ذکر چھپر گیا، شر اچھی یا نظم سہارے مولوی صاحب شر کے شیدائی۔ داع صاحب پکے شاعر بھپر سے بھالا وہ شر کو نظم سے بہتر کیوں مانتے لگے۔ گفتگو میں تیز اتیزی ہو گئی۔ نوعمری میرا بیسا ہی ہوتا ہے۔ جب مولوی صاحب نے دلیل میں کلام الٹی پیش کیا۔ تو ہی کہتے بن پڑا اس کا ذکر کیا دہ مالک بے جوچہ فرمائے۔ قصہ مختصر۔ شکر رنجی ہو گئی۔ کوئی بھی پڑکر ملا پ کر ادیتا۔ اتفاق کی بات، حیندر دز بعد داع صاحب کارام پورجا ہو گیا۔ سچروہاں سے حیدر آباد۔ اب یہ کہاں وہ کہاں۔ یہ بھی خیال ہو سکتا ہے۔ داع صاحب نے ان کا آنے سے اجھا۔ بات پرانی ہو چکی۔ حلبو آئی تھی ہو گئی۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ جس دن سے انھوں نے حضور نظام ص کی ملائزت

اختیار کی، بے مالک کی اجازت گھر کے باہر قدم نہیں لکھا۔ ہم نے ہواخوری
 سک کھلتے نہیں دیکھا۔ کبھی کبھی مشاعرہ میں چلے جاتے۔ وہ بھی اجازت سے
 رات دن خدمت کے لئے کمر بستہ رہتے۔ یاد ہوئی اور حاضر۔ غزل سوار لایا۔
 مٹوں میں اصلاح دے دا اپس گزران دی جس کا جی چاہے گھر پر آئے مل جائے
 خلق کی انتہا نہیں۔ ذرا اشارہ پایا غزل سنانے کو موجود۔ بغیر کہ بھی سنادیتے
 ہیں۔ کوئی اور ستانی چاہتا تو سنتے۔ امید سے زیادہ داد دیتے غرض سارے
 شر لفانہ انداز ہیں۔ کسی سے بعض نہیں بیر نہیں۔ کسی کام میں دخل نہیں شعر
 کہنے سے کام۔ مرنج و مرنجاں۔ امیر مینائی کے ساتھ آپ کا سلوک قابلِ تحسین ہے
 ہمیشہ ہم مشربوں میں رقابت ہوتی چلی آئی ہے۔ یہاں اس کا بھی ذکر نہیں۔ خیر۔
 اس کو جانے دیجئے۔ داع صاحب اعلیٰ حضرت کی پیشگاہ میں حاضر تھے مولوی عذیت الحنفی
 کا تذکرہ ہوا۔ نواب افخار الملک بیادر نے شیوه بیانی کی تعریف کی۔ داع صاحب
 نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔ اور کوئی دقیقہ کلتہ التحریر میں اٹھا نہیں رکھا۔ اعلیٰ حضرت
 کا دل آن کے سنتے کو چاہا۔ کیوں نہ ہو قدر وان ہیں۔ اہل فن کی قدر یہ نہ کریں گے
 تو کون کرے گا۔ لے دے کے یہی تورہ گئے ہیں۔ قلعہ اجڑ گیا۔ لکھنؤلٹ گیا۔ داع صاحب
 سے ارشاد ہوتا ہے۔ جاؤ مولوی صاحب سے کہہ دو۔ ہم کل اون کو سنا چاہتے ہیں
 داع صاحب نے حکم پا کر شنگر بخی کا کچھ خیال نہیں کیا۔ اگر کسی ہم وطن کا سب سدا
 ہو جائے۔ تو حشیم مار دشن دل ما شاد۔ رخصت ہو سیدھے ادھر چلے آئے۔
 مولوی صاحب بڑے تپاک سے لٹے۔ اپنے نہ حاضر ہونے کی تاویلیں کیں۔ اور
 معدودت چاہی۔ تا ہم دل میں بہت لئے گئے۔ داع صاحب نے فرمایا۔ میں علیٰ حضرت کا

فرستادہ آیا ہوں۔ وہ کل آپ کو سنا چاہتے ہیں یہ اچھوں نے سمجھا تھا۔
 مولوی صاحب بہت خوش ہوں گے۔ کہ بڑی عزت افزاں ہوئی۔ پچھے پچھے
 شاید فتح بھی ہو۔ مگر مولوی صاحب کے چہرہ پر مسترت کے آثار منودار نہیں ہوئے
 سوئے ادبی بھی ان کا شیوه نہیں کہ بادشاہ کے حکم کو طال دیں۔ فرمایا تو یہ فرمایا
 بہت اچھا میں حاضر ہوں۔ سامان باندھ لیا تھا، کھول دوں گا۔ یہاں حکومتی
 مولوی صاحب کی حالت سن لیجئے۔ مولوی صاحب امیر آدمی نہیں۔ باپ وادا
 کے صدقہ میں دال روٹی کا سہارا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے ہیں اور عزت آبرو سے
 سپر کرتے ہیں۔ کسی امیر و سلطان کے آگے نہ کبھی دست طلب دراز کیا نہ سر جھکایا
 سر بلندوں سے سر بلندی ہے۔ فروتنوں کے لئے
 داعی صاحب ان کو جانتے تو ضرور سختے۔ مگر ان کے عادات و حفاظات سے سماں
 نہ سختے۔ یہ قرار پایا کہ اعلیٰ حضرت سے عرض کیا جائے کہ مضمون تقریر کا کیا ہو میوہو
 صاحب نے داستانِ رنجیت تجویز فرمایا۔ اس مناسبت سے کہ حضور اعلیٰ کو ارادہ
 زبات سے بہت دلچسپی ہے اور ما شاد اللہ خود شاعر بھی ہیں۔ نکتہ والی اور نکتہ ترسی
 قرار پایا کہ ٹیلیفون پر بھی عرض کرایا جائے۔ داعی صاحب نے فون کیا۔ وہاں سے
 جواب ملا۔ اعلیٰ حضرت پسند فرماتے ہیں۔ گیارہ بیجے حاضر ہوں۔ داعی صاحب بت
 چیت کر کے رخصت ہوئے۔ مولوی صاحب مضمون کو سرانجام دینے میں مشغول
 ہوئے۔ یہ پہلا ہی موقع ہے۔ کہ مولوی صاحب بادشاہ وقت کے دربار میں
 خطبہ دیں گے خطبہ ایسا ویسا کیسے ہو سکتا ہے۔ شاہ ہوار ہونا چاہئے۔
 لیجئے دوسرا دن آگیا۔ مولوی صاحب داعی صاحب کے ساتھ ساتھ تشریف

جائز ہے ہیں۔ لباس وہی قدیم ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ سر پر دو پٹلی ٹوپی کی خیگر مونی تک رنگ کی منصب داری پڑھی ہے۔ کمر میں پٹھا در پٹکے پر کمر۔ آج چھڑی ہاتھ میں نہیں۔ کیوں ہوتی۔ آئین دربار کے خلاف ہے۔ سامنے فلک نما کا بڑا کمر ہے۔ چاروں طرف کوچ بچے ہوئے ہیں۔ ان پر زر تار پوشش ہے۔

صدر میں در بار چیر رکھی ہے۔ امیر وزیر یا ادب لکھا ہیں۔ بھی کے اپنی اپنی جگہ یاقا عذہ بیٹھتے ہیں۔ یہ جب پہنچے اور سلام کیا۔ سب تعظیم کو کھڑے ہو گئے۔ حملہ المہام بہادر بیٹھے رہے۔ بیٹھتے بیٹھتے سلام کا جواب دیا۔ مولوی صاحب کے واسطے جو مقام مقرر رکھا، وہاں بیٹھا دیا گیا۔ مودب ہو بیٹھتے۔ ابھی اعلیٰ حضرت یہ آمد نہیں ہیں محل میں اطلاع کی گئی۔ حضور یہ بعد چوبدار نے اعلان کیا۔ حضور اعلیٰ برآمد ہوا چاہتے ہیں۔ سب اپنی اپنی جگہ پر دست بستہ کھڑے ہو گئے۔ اعلیٰ حضرت تشریف لائے۔

کری پر حلوہ افرادز ہوئے۔ مولوی صاحب آگے بڑھے۔ پہلے آداب بجا لائے۔ چھر قدم لئے اور نذر پیش کی۔ اعلیٰ حضرت نے ہاتھ رکھ دیا۔ عرض کی غلام کی آزو د ہے قبول ہو۔ گرفتوں افتدر ز ہے غزو شرف۔ اعلیٰ حضرت مکر لئے اور نذر اٹھا کر نذر نثار کو دیدی۔ پھر مولوی صاحب سے دو ایک باتیں کیں۔ وہ اپنی کا اشارہ ہوا۔ مولوی صاحب ائمہ قدم نشت پر آگئے۔ چپکے سے کچھ مدارالمہام بہادر کو ارشاد ہوا۔ انہوں نے آواز سے کہا۔

”مولوی صاحب خطبہ پڑھئے۔“

مولوی صاحب نے دست بستہ عرض کیا۔ فردی آنکھوں سے معذرا ہے عینک لگانے کی اجازت طلب کرتا ہے۔ اشارہ ہوا لگا لو۔

خطبہ

لحنِ داؤ دی میں مولوی صاحب نے یہ شعر پڑھا ہے
 کجاست ذرہ تاجیر و باریا بی شاہ
 میں ز فنیش سخن کوہ می شود پر کاہ

قد ر گوہر شاہ داندیا بداند جوہری حصہ نور شاہ ہیں اور بندہ جوہری
 نعمت سخن کے جواہر شاہوار فرق شاہ پر نثار کرنے لایا ہے۔ سینہ کی معدن
 میں دماغ کے خور شیدی صنیار پاش نے اسی دن کے لئے پر درش کیا تھا جنپتا
 سخن کا مالی حاضر ہے۔ گلہائے سر سبد لایا ہے۔ ایسے دیے نہیں۔ برسا بر سل پتے
 خون حگر سے سینچا ہے۔ اولاد سے زیادہ پرورش میں سرگرم رہا ہے۔ کس دن کے
 لئے۔ آج کے دن کے لئے۔ تاکہ شاہ قدر شناس کے قدموں میں نکھیر دے۔
 یہ جو اہر کیا ہیں اور یہ گل کیے۔ یہ رنجنہ کے درہائے رنجنہ ہیں۔ یہ رنجنی کی خوش نگر
 و خوش آب سنکھڑیاں ہیں۔ کیسے کیسے بھیلے جوان ان کے شیدایی تھے۔ کن کن نے
 ان پر جان قربان کی۔ میر و مومن۔ غائب و ذوق فراہاد وار جوئے ستیر لکھاں کر
 لائے اور بہاکر چل دئے۔ نام رفیقان زبان پر ہے۔ نہر بہہ رہی ہے صلائے
 عام ہے۔ آؤ اور سیرا ب ہو۔

ادائے خاص سے غالب ہوا ہے نکتہ سرا
 صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے
 تمہید ختم، عرض مدعائی باری ہے۔

اماں حوا اور بادا آدم زمین پر آتے رہے۔ اولاد ہوئی اور پھر میلی
 ماں باپ ایک۔ رسم درواج ایک۔ وضع قطع ایک۔ بولی ایک۔ پھر یہ کیا ہوا،
 جو چیز چیز زمین کی بولی جد اگانہ ہو گئی۔ ہوا کیا۔ وہی طعنیاں اور عصیاں کی
 مار۔ بے سرتاہی کئے چین ہیں۔ بنی اسرائیل کی روایات سے اتنا پتہ چلتا ہے
 کوئی بادشاہ تھا۔ اوس کا دماغ جو حزادب ہوا۔ تو چلے سمائے دنیا کے پرے
 جھانکئے۔ مینار بابل تعمیر ہونا شروع ہوا۔ مکروہ و مکرا اللہ۔ واللہ خیرو
 الماکرین۔ مکر کے لفظ سے دھوکا نہ کھانا۔ یہ وہ مکر ہیں جو ستم کرتے ہیں
 چار حرفت انگریزی کے پڑھ گئے۔ سمجھنے لگے۔ ہمیں سب کچھ آگیا۔ لگے اعتراض
 کرنے۔ اور وہ بھی کس پر۔ اللہ میاں پر۔ میاں عربی میں مکر کے معنی تدبیر
 کے بھی ہیں۔ دوسرا مکرا دوکا مکر ہے۔ وہاں ان معنی میں خدعاً آتا ہے۔

خدا کی طرف سے عذاب نازل ہوا۔ یہ عجیب شان کا تھا۔ ایک دم سب
 کی بولی مختلف ہو گئی۔ ایک کی بات دوسرانہ سمجھے۔ بل چلن مج گئی۔ اگر کارا مانگتے
 ہیں۔ تو مزدور اینٹیں لے چلا آتا ہے۔ پانی مالکا تو نوکر جو نیت لے دوڑا۔ غرض
 خدا کی پناہ۔ آفت سی آفت بھی۔ اب ایک جگہ مل کر رہنا کیسے ہو سکتا۔ ساری
 بادشاہی غاک میں مل گئی۔ دیکھا اللہ میاں کا مکر یہ ہوتا ہے۔ جس کا جدھر
 سینگ سما یا، نکل گیا۔ وہاں کی آب و ہوا کا اثر ہوا۔ رنگ روپ بدل گیا۔
 کوئی نکٹا کوئی چٹپا۔ کوئی کالا کوئی گورا۔ کہہ دے سب چھوٹ۔ ہم تو ارتقی کے
 فاملی ہیں۔ ایک حضرت آدم مختاری تھے۔ ملک ملک آدم پیدا ہوا۔ یہ ساری
 الگ الگ نسلیں ہیں۔ ہم ان کوئی پر تقسیم کرتے ہیں۔ آریا۔ سامی۔ اور غول بجا

اور درست۔ اول تو یہ تباہی۔ اب یہ ارتقیٰ کہاں ناپید ہو گیا۔ اب بھی کوئی
 نہ آدم صاحب پیدا ہوتے ہیں۔ ان کا پتہ لگائیے۔ شاید کوئی نبی یعنی آدم
 کی نسل بنتے۔ اور ہم سے افضل ہو۔ قانون قدرست پر لاہیں کرتا۔ لا وجہ
 لست اللہ تید میلا۔ جو ہوتا چلا آیا ہے۔ وہی ہوتا چلا جائے گا۔ کہہ دکہ
 یہ مشاہدہ نہیں۔ اچھا چلو ارتقیٰ ہی سہی۔ یہ تو بتاؤ۔ ہر اور ۲۔ ب۔ انکے
 مرکب تمام زبانوں میں ماں اور باپ کے معنی دیتے ہیں۔ جو ماں باپ ایک نہ
 تھے تو یہ کیسا حسن اتفاق ہے۔ عقل تو قبول نہیں کرتی۔ اچھا اور دیکھو یہ ساری
 قوموں میں سفہتہ کے دن وہی سات مہینہ تین دن کا۔ یہ کیسا بے ڈول حساب
 کہیں سفہتہ پانچ دن کا ہوتا۔ کہیں دس دن کا۔ تین پر پورا تقیم ہو سکتا۔ یہ پر انکے
 نام سنو۔ وہی سالتوں سیاروں کے نام۔ مہینہ کو تو تم یہ کہہ دو گے۔ چاند سب
 میں بڑا سیارہ نظر پڑا۔ اس کو اترتے چڑھتے دیکھا۔ مہینہ کا شمار لگایا۔ مگر میں
 کا تو یہ حال نہیں۔ اس کے بارہ مہینے کیے۔ کیا سب جوار ارتقیٰ کا نتیجہ تھے۔ ماں کے
 پیٹ سے ستارہ ستھاس پیدا ہوتے تھے۔ بس ایک نظر میں دور قمری وشمی کو
 سمجھ لیا۔ میاں خدا سے ڈرو۔ اب تک بھی تو ہم جیسے بہت اس کو خاک نہیں
 سمجھتے۔ سارا سنی سانی پر عدار ہے۔ اگر ابھی کوئی نظام شی پر ایندھندا سواں
 کر دے تو ہم دال منہ دیکھنے کے دیکھتے رہ جائیں گے۔ یہ پر جگہ لگتی ایک سے
 لیکر سوتک۔ بسیں تک کیوں نہیں پچاس تک کیوں نہیں۔ بھاٹی ایک بات تو یہ ہے۔
 شاید ارتقیٰ کے بعد ساری قوموں نے کوئی یہ جو کونفرانس کی ہو گی۔ اور یہ خیری
 پاس کر ڈالی ہو گی۔ آؤ ریسیرچ کریں۔ کچھ نہ کچھ پتا چلنا کا اور کوئی نظریہ قائم ہو جائیں

کچھ نہیں تو کوہ کندن دکاہ بر آور دن تو بیتی ہے۔ سمجھانی یہ سب غلط۔ مینار
 بابل ہی کا داد افقہ درست معلوم ہوتا ہے۔ جیسا سرائیلی روایت کو مانتے بغیر حیاہ
 نہیں۔ اب آگے چلتے اور ملا حقہ کچھ۔ زبانوں میں تبدیلیاں کس طرح واقع
 ہوئی ہیں۔ اور یہ مردہ اور زندہ زبانیں کمی ہیں۔ صاف بات ہے۔ ہر چیز کی
 ایک عمر ہونی ہے۔ یہ اللہ میاں کا ہنا یا ہوا قانون ہے۔ زبانیں کیوں مستثنی ہوئے
 لگی ہیں۔ جو مرگیا دہ مردہ۔ جو زندہ ہے وہ زندہ۔ ہاں یہ تواضع ہے۔ مگر مردہ
 مر کے عجھی تو اپنی نشانی چھپوڑھاتا ہے۔ بچے کچے باقی رہتے ہیں۔ ایک ایک ہی نہیں
 ملکہ دو دو چار چار۔ اسی طرح ہر چیز کی نسل پھیلتی ہے۔ جیل باڑی ٹھصتی ہے
 بالکل یہی حال مردہ زبان کامبے۔ خود مرگی اولاد چھوڑنئی سنکرت کو دیکھو لو۔ اس
 نے سندوستان میں کتنے بچے دے رکھے ہیں۔ مگر بچے بچے بھی بجاتے، بھاتات کے
 ہوتے ہیں۔ کوئی خلف کوئی ناخلف۔ کوئی زور آور کوئی کمزور۔ کوئی سپوت
 کوئی کپوت۔ کوئی امیر کوئی فقیر۔ یہی نقشہ سنکرت کی بیٹیوں کا ہے۔ بس ایک
 مہنگی ہی جسے بیاہنے والی بیٹی پیدا ہوئی۔ اور بیٹیاں بھی ہیں۔ مگر وہ ایسی ترا
 نہیں۔ اس نے اپنے باغ میں ملکوں ملکوں سے لا کر اپرے بوئے۔ یاد رکھو
 ... اگر ان کو اکھیر پھیکیو گے تو باغ دیران ہو جائے گا۔ بس اپنی گل بولوں کی
 تو بیا۔ بتے۔ چھوڑی ہوئی ہڈیوں میں کیا دھرا ہے۔ وہ تو بڑھنگیں۔ اگر بڑی ہوئی
 لا شیں باغ میں لادالیں۔ ناک نہیں دی جائے گی۔ کھات کا کام سمجھی یہ نہیں ہے
 سکتیں۔ اگر کھات چاہتے تو یورپ سے منگو اکر سائنس فک کھات دو۔ تو شاید
 کچھ کام چلے۔ اس قصہ کو جانے دو۔ یہ سنو کہ زبان میں تبدیلیاں کیونکر ہوئی

ہیں بعض اندر و نی ہیں بعض بیرونی۔ بعض رفتہ رفتہ بعض
اکیس دم۔ پہلے اندر و نی تبدیلوں پر نظر ڈالو۔ دنیا میں کسی چیز کو ایک حالت پر
قرار نہیں۔ یا تنزل ہے۔ یا ترقی۔ یہی زبان کا حال ہے۔ جہاں تنزل ہے۔ جان
اپ کوئی دن کی مہان ہے۔ پھر مسکن قبرستان ہے۔ تنزل کو جھپڑو، ترقی کی تھی
کرو۔ حواہ مخواہ دل دکھانے سے کیا فائدہ۔ شعر

بلبل امڑدہ بہار بیار + خبر بد پہ بوم سوام گزار
اور نئی نئی چیزیں ایجاد ہوتی ہیں۔ نئے نئے خیالات دماغ پیش کرتا ہے۔ نئے
لئے نئے لفظ تراستہ جاتے ہیں۔ نئے استعارت اور شبیہیں گھڑی جاتی ہیں
پہ اسے لفظوں کو نئے معنی کا جامہ پہنا یا جاتا ہے۔ اس تبدیلی کی رو سبیت
ہے۔ اسے احساس دماغ محسوس کر سکتا ہے۔ یہ نئے الفاظ زبان کے
لبہ والہجہ کے موافق ہوتے ہیں۔ کسی کو اور پری اور پری نہیں معلوم ہوتے۔
ہاں سر و نی تبدیلی نہایاں تر ہوتی ہے۔ وجہ صادق ہے۔ الفاظ اور لہجہ کھو بڑا۔
بر سوی بعد رنگ میں رنگ ملتا ہے۔ جھل جپلا کر لب والہجہ کے موافق بنتے ہیں
بچھرا، تیاز و شار ہو جاتا ہے۔ بعض دفعہ تو یہ بھی پتا نہیں چلتا۔ کہ کہاں سئے
اور کیوں مکر آئے۔ مشاں سنئے۔ نان پاؤ۔ پاؤ ردنی۔ نہ انگریزی نہ اردو۔ آیا تو
کہ دھر سے آیا۔ سمجھائی اس لفظ کی کہانی یہ ہے۔ یہ انگریزی کی کواٹر لوف کا
ترجمہ ہے۔ انگریزی داں سمجھ جائیں گے تفصیل کی حاجت نہیں۔ اور یہجے۔
مرٹگشٹ۔ سچان اللہ کیا تو بصورت لفظ ہے۔ کہاں مٹرا اور کہاں گشت
ایک فارسی اور دوسری خبر نہیں کیا بلکہ دل کچھ نہیں۔ حضرات فرانسیس کا

تحفہ ہے۔ یہ ان کے میٹر صاحب موجود ہیں۔ آخر یہ لوگ بھی تو کبھی سندھستان
 میں نامی نامدار رہے ہیں۔ پھر زبان پران کا سخت نہ ہوتا۔ اپنا خراج دھول کرتے
 ہیں۔ بیردی تبدیلی کا راستہ قوموں کا خلط ملٹے ہے۔ مہارے ہاں کی نئی چیزیں
 حزاہ ایجادات ہوں یا قدرتی۔ وہ ہمارے ہاں آئیں۔ ہمارے ہاں کی مہارے
 ہاں گئیں۔ اپنے اپنے نام ساختھے لے گئیں۔ آخر آدمی بھی ایک ملک کا دوسرے
 ملک میں جا بنتا ہے، تو کیا اوس کا نام بدال دیا جاتا ہے۔ یہ ضرور ہے، وہاں
 داسے کچھ ادنیگی بونگی طرح یعنی لگتے ہیں۔ یہی حال الفاظ کا ہے۔ جو قوم
 زیادہ تہذیب یافتہ ہوئی ہے۔ دوسرے ملک میں اوس کی چیزوں کا
 داخلہ بھی بیشتر پایا جاتا ہے۔ پھر اس زبان میں اوس زبان کے الفاظ
 ملنے لگتے ہیں۔ دوسری زبان میں اتنے نہیں۔ بیردی تہذیبوں کے
 خیالات اور فنون لپنے اصطلاحات ساختھے لے کر آتے ہیں۔ کچھ ترجمہ
 ہو جاتے ہیں۔ کچھ یونہی چیز دے جاتے ہیں۔ یہاں تک تو رفتہ رفتہ تغیر
 کا ذکر ہوا۔ اب اس تغیر کی باری ہے۔ جو بھلی کی روکی طرح ایک دم
 دور جاتا ہے۔ یہ غیر قوم کی کشور کشاوی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے
 کہ تمدن و حشی قوموں کا شکار ہوا۔ کوہ اور بادیہ نشین پیغمبر بدست اور برکت
 اپنے مولد و منشائی سے آنہ بھی کی طرح اٹھے، اور سیلاں کی طرح پھیل گئے۔
 تہذیب اور تمدن کو قدموں کے پیچے روئے کھل گئے۔ شہرخاہ بہ دیہات ویرا
 مخول کا حال ملاحظہ ہو۔ کوہ الطائف سے نکلے۔ اسلامی دنیا پر چھا گئے۔ تغیر
 کی۔ اور خود مسخر ہو گئے۔ آخر اس کی وجہ۔ گرہ کا کچھ نہ تھا۔ صرف زور بازو

کا آسرا۔ میپاں سب کچھ تھا۔ تاب نہ لاسکے مسخر ہو گئے۔ اسلام لے آئے اسلامی
 تمدن میں جذب ہو کر رہ گئے۔ زبان پر بھر بھی اثر ہو گیا۔ وہی الفاظ آئے جو
 اون کی خصوصیات میں داخل تھے جو فغار۔ بر فغار۔ میر غمال۔ طورہ آلمت
 قمر عنہ۔ سیور غال۔ توزک سب کا لعلت فوج سے۔ ساری سپر گری۔ میپاں
 اس کے سوا دھراہی کیا تھا۔ امیر دزیر سارا دربار ایرانی اور مسلمان۔ فوج
 اور بادشاہ سلامت بیشیک غیر ہیں۔ یہ نامہ جذب قوم کے استیلہ کی شان ہے
 کیوں صاحب مسلمانوں نے بھی تو ایران پر حملہ کیا۔ وہ کہاں کے مہد بھے
 وہاں تو رنگ بدلا ہوا فطر آتا ہے۔ محکوم کو اپنے رنگ میں رنگ لیا۔ انتہایہ کی
 فارسی ادب کی کایا پٹ کر دی۔ آتش پستی رفوجکر۔ آتش کردہ سردار حکومت
 کے دین کا نقابہ بچ رہا ہے۔ یہ قاعدہ تو ٹوٹ گیا۔ ہنسی جناب تو ماٹھیں۔
 زمانہ جاہلیت کی تہذیب بیشیک ایران کے مقابلہ میں ہیچ محسن ہھی۔ لیکن کتابتہ
 اور سنت رسول اللہ تہذیب اور تمدن کا سر حشیہ تھے۔ احوز نے ساری تمدن
 دنیا کا خاتمہ کر دیا۔ عرب کا تمدن سترت سے لیکر عرب تک پھیل گیا۔ یہ اسلام کا
 صحرا ہے۔ کوئی زبان ہے جس پر اس کا اثر نہیں ہے۔ انگریزی اور لاطینی
 عربی کے الفاظ سے پڑی پڑی ہیں۔ جہاں علم تھا، اون کا دیا ہوا۔ جہاں ادب تھا
 ان کا کنڈا۔ یہ قوم عجیب آن کی شان رکھی ہھی۔ علم پر ٹوٹ کر گری۔ سر حشیہ پر
 جا کر سیر ہو کر پیا۔ بھر بھر میں بیاد ہیں۔ پانی آب بیش سے لذیذ تر۔ دنیا نے
 ہاتھوں ہاکھ لیا۔ آنکھوں سے لگایا۔ آج تک برلن۔ پیرس۔ اور لندن کے کتبخانے
 شاہد حال ہیں۔ کم رہ کرہ اون کے مکتوبات سے پڑیں۔ صرف ایک لفظ حاضر ہے

وہ کیرٹ ہے۔ عربی قیراط۔ ایک وزن ہے۔ اب تک زر و جواہر اس ہی میں
تلے ہیں۔ کیا ان شہزادیوں یا فتے مالک ہیں توں تک نہ سمجھی۔ بن تلا کھاتے تھے۔
مگر یہی وزن مقبول ہوا، اور مقبول ہے۔ کہہ دو، آپ کے میل جوں اور
یگانگت کا نتیجہ ہے۔ باکل غلط صدیق سنگیں پر خلاف گواہی دینے پر تلی ہوئی
ہیں۔ مگر کیا تھا وہاں علم تھا۔ اور یہاں حمل۔ وہاں اندھیرا۔ یہاں چاندنا۔
طب انگریزی میں ادویہ کے نام دیکھنے۔ لاطینی مگر عربی۔ یہ علمی استیلا ہے۔ اسکا
معکونہ ہیں۔ جو ایک زبان کے الفاظ کو دوسری میں بے تکان ہجھے دلاتا ہے
اور حصہ رشیں بناتا ہے۔ یہ بھی ایک فتم کی فتح کی شان ہے۔ یوں بھی دیکھا ہے
اعلیٰ قومیں ادنیٰ قوموں پر شکر کشی کرنی ہیں۔ غلبہ پانی ہیں۔ علام بناتی ہیں دیکھو
آرین قوم ہندوستان پر چڑھا آئی۔ درودیوں نے کوہ و بیابان جا پیائے
بچر بھی خلط ہوا۔ جنوبی ہند کی تلنگی اور کنٹری زبانیں موجود ہیں۔ سنسکرت
الفاظ سے خالی نہیں۔ ان کے بھی الفاظ آرین زبان میں آئے۔ معنی میں فلت
اور معنو بیت ساختہ لائے۔ پلہ کا لفظ موجود ہے۔ ہمارے ہاں کئے کا پلہ
وہاں انسان کا بچہ۔ فارسی کا حال بھی کچھ کم ہنیں۔ دیو دیوتا بن کر یہاں
بچ رہا ہے۔ ایران میں بھوت پلیت کامرا دفت ہے۔

پر میں تقاضت رہ از کیاست تا پہ کیا

قوم ہی نے ہاں نہیں مانی زبان نے بھی ہار مان لی۔ مغلوب ہوئی۔ خدا نے طاقت
کو کیا طاقت دی ہے۔ یہ سب اوسی کے کر شئے ہیں۔ اور مجھے۔ ایران پر
سکندر عظیم حملہ آور ہونا ہے۔ کچھ دن اوس کے بعد اوس کے جزیل حکومت

کرتے ہیں۔ مگر یہ سب آتنا قلیل تھا۔ کہ زبان میں اثاث قائم نہیں۔ ممکن ہے اوس تو
 بہوں پھر مست گئے ہوں۔ یہ بھی تعجب نہیں۔ کیونکہ عرب کے استیلا کے بعد فارسی کا
 ڈھانچہ ہی ڈھانچہ نظر آنے لگا۔ سر سے پاؤں تک بدل گئی۔ بہت کم زبانوں کی یہ
 گستاخی دیکھی ہے۔ دری اور پہلوی پڑھ تو سہی۔ فارسی دانی کا دعوے ہے۔
 دیکھو کچھ سمجھ میں آئی تھے۔ اور سچائی وہ قوم جو آج تک صحیح اٹھ کر ژندہ اور پاڑند
 کے منتر آفتاب کے سامنے رہتی ہے۔ اس کے موبد تک طوطے کی طرح پڑھتے
 ہیں۔ مزا یہ کہ فارسی کے قدیم حروف تک مدارد۔ مگر اتنی میں لکھ رکھا ہے جامہ
 بچوڑی قدیم لباس زیپ تن۔ مگر حقیقت سے اتنے دور۔ آخر جامہ تو سمجھ میں
 آگیا فارسی کا لفظ ہے۔ مگر بچوڑی۔ رہ کے ساتھ کہاں سے آن کو دی۔ اب
 تک یہ نکتہ حل نہیں ہوا۔ زبان پر استیلا کی یہ معراج کا کمزور ہے۔ تعجب تو یہ ہے
 قوم مستدن، معمولی تدرن نہیں، اعلیٰ پایہ کا۔ مسخ ہوئے تو کیسے۔ حروف بھی حرف
 غلط بن کر رہ گئے۔ شاعری بھی غائب۔ انگریز مصنفوں کا تو یہ قول ہے کہ سرے
 سے پیدا ہی نہیں ہوئی۔ جو ناپید ہوتی۔ یہ عقل کے خلاف ہے۔ اتنی مستدن قوم
 اور شاعری مدارد۔ سمجھ میں نہیں آتا۔ ہمارا نظر یہ سنئے۔ کوئی غیر مستدن قوم
 بھی اس چیز سے بے بہرہ نہیں۔ کہاں ایران، رات دن عرب اور یونان سے
 ڈالڈا یعنی ڈا، یہاں شاعری لکھتی میں پڑی ہوئی۔ نہیں معلوم یاروں نے نظم
 کس چڑیا کا نام رکھ جھوڑا ہے۔ کیا وزن حقیقی میں شعر کا ہونا شرعاً نظم ہے۔ اور
 وزن موسیقی میں شعر شعر نہیں۔ دوزن کا ہائی سنئے۔ یہ لاشے نہیں ہے۔ داود مدار
 سماخت پر۔ سماحت مختلف۔ عرب کے بعض اوزان متعدد۔ سینہ می اور ایسے الی

کانوں کو ناگو ار بلکہ ناموزدیں۔ انگریزی کے بیشمار شعر پیش کردیں۔ لاکھ کھینچنے والوں
 موزدیں ہونے کا نام نہ لیں۔ پھر کیا یہ شعر نہیں۔ فارسی غریب کا سب کچھ رکھیا
 علم عرب و صن بھی عرب سے مانگئے کو لیا۔ یہ کہا کرو۔ وہاں نظم کا نام و نشان تک
 نہ تھا حقیقت یہ نہیں ہو سکتی۔ وزن حقیقت کو نی چیز نہیں۔ اصل وزن موسیقی ہے
 کیوں صاحب اگر یہ درست نہیں تو آپ شعر گا کر کیوں پڑھتے ہیں۔ کیوں نثر
 کی طرح پاٹ نہیں چلنے دیتے۔ مچھرا نشاد کیا ہوا۔ اور ترجمہ کیا چیز ہے۔ آواز
 میں اتار چڑھاو۔ بات ایک ہی ہے۔ سعی پوچھو تو وزن موسیقی ہی اصل وزن ہے
 یہ گھٹیا سے گھٹیا زبان میں موجود ہے۔ حنجرہ کی قدرتی ساخت کو دلمکھیو۔ یہاں موسیقی
 کے تاریخ پائے جاتے میں۔ حق بات یہ ہے عرب کے کافی فارسی موسیقی کو سمجھنے میں
 فاصلہ ہے۔ کہہ دیا کہ فارسی میں شعری نہیں، یہ بھی ایک استیلا کی دلیل ہے۔ مکوم
 قوم بوجس چیز سے چاہو بے نصیب کر دد۔ اس کی نظم کو شاعری کا مرتبہ ہی نہ دو۔
 غلامی بھی کسی بری بلاد ہے۔ جناب ژند اور پاژند سب شاعری ہے۔ دساتیر کی
 میں وزن حجلاں رہتے۔ ژند دہی ہے جو سنکرت کا چھنڈ۔ یہ خاص بھر ہے۔
 اس میں مسلسل تعلیم جوتی ہے۔ جہاں ایران کی ساری تہذیب پر پانی پھر گیا۔
 وہاں شاعری پر بھی بھر گیا۔ مذہبی کتابوں میں جا کر پناہ ہی۔ وہاں اب تک زندہ
 بتے محسوس کرنے کو کافی درکار ہیں۔ عرب کے استیلا کی اس سے زبردست
 مثال نہیں ہے۔ نئے مذہب اور نئی شاعری نے قوم کو ایسا مہہوت کیا کہ ایک
 صدی دیر طحہ صدی تک لمحہ کی خبری نہ رہی۔ جبکہ اپنی بادشاہت ہوئی۔ اور
 ہوش آئے، سب کچھ ریٹ ٹھاچھا تھا۔ لمحہ اُجڑ گیا، اب تعمیر کا خیال آیا۔ پھر بھی

وو دل، کچھ اجاڑنے کے درپے کچھ بنانے کے شائق۔ ایک ملا۔ دوسرا امیر۔
 ملاحی تو عربی پر مرستے۔ میر صاحب جب تیش سے سوتے سوتے جا گے۔ تو ادھر کا
 رخ کیا۔ بڑا شیر مارا تو شاہ تامہ لکھ دیا۔ بہت زور مارا کہ قدیم فارسی میں
 ہو مگر نہ ہو سکا۔ عربی نے چھاپا مارا پر مارا۔ عروض آجھا تھا۔ کانوں میں رنج گیا
 تھا۔ فردوسی نے وہی مٹنوی کی سمجھ اختیار کی۔ ٹندر اور چھینڈ کا اب کون
 پرسان حال تھا۔ قدیم زبان اور علم اگر کچھ موجود تھا تو آتشکدوں میں یا گرت
 میں جلا وطنوں کے پاس تلاش علم میں کون ٹانگیں توڑتا۔ سفر بھی اس زمانہ کا
 آجھل کا نہیں۔ منوٹہ سفر۔ آتشکدوں میں ہوبدا در دستور علم ہواںک لگنے نہ دیں
 اسکو جتنا چھپا سکو چھپا۔ دلکھیو کوئی لے نہ بھاگے۔ اگر ہو سکے تو کسی قبر کہہ میں
 دفن کر کے بھیول جاؤ۔ حصان لئے ہو جائے تو ہو جائے۔ یار و اغیار کے کام نہ آئے
 یہ بھی مسلمانوں ہی کا دل گردہ تھا۔ کہ علم کو ڈھڑی ڈھڑی کر کے لٹایا۔ اور ہمارا
 احسان نہ مانو؟

اب انگریزی زبان کی داستان سنو۔ اس زبان کا ڈھانچہ انخلو سکین
 ہے۔ رویوں نے اپنی عالمگیری کے زمانہ میں انگلستان پر بھی دھاوا بول دیا۔
 اوس وقت جب گھر میں ترکی تمام ہو چکی تھی۔ محتور ڈے دنوں حکومت کی بچھر
 دالپ ہونا پڑا۔ دھکے نہیں ملے خود ہی چلتے آئے۔ سکین پر اس کا اثر ہوا اور موجود
 ہے۔ مگر زیادہ نہیں۔ دو دو مراد دن فقط بولے اور لکھے جانے لگے۔ تاکہ ہم بھی سمجھے
 اور تم بھی سمجھے لو۔ جیسے دل اور ٹیکٹیٹ۔ بچھر بھی لاطینی کی یہ بہتات نہ تھی جو آج ہے
 ہے۔ کیوں تکریبی مجزیہ کے باشندوں کو علم کا ذوق ہو۔ علم لاطینی اور یونانی میر سہب پا

محصور سکھی۔ علم کا شوق علیوی مذہب کے ساتھ سالختہ آیا۔ دیکھیں لو، مذہب کو علم بردار فن ہی تے پڑھا لکھا۔ باقی پیٹ پالتے رہے۔ اب تک گاؤں اور طہ آنکی یادگار ہیں۔ وہی فقیرانہ خرقہ وہی گداگری کی جھوٹی۔ اب زبان میں لاطینی کی بھرمار ہو گئی۔ مذہب کا سرحد پہ عبرانی۔ عبرانی کے بعد یونانی بہ محصور پڑھنی پڑی۔ اس کے لفاظ بھی ناخواندہ جہاں بن کر آگئے۔ سحریر میں لاطینی رنگ آیا۔ پوپ حب کا صدر مقام ردم۔ وہ سب کے خدا نی بادشاہ۔ انکا بھیجا ہوا پادری پادشاہ سے افضل۔ شاہنشان۔ اب تو انڈھیر بچ گیا۔ سانپ تو وہی سکیں رہا مگر کھلی لاطینی ہو گئی۔ اور ایسی جھپٹی کہ بھرپولی ہی نہیں۔ یہ دوسری علمی اور مذہبی کشور کشانی کی مثال ہے۔ لاطینی تارے کی نورافتانی کو عرب کے آفتاب نصف النہار نے ماند کیا۔ مذہب نے تو پلٹا نہیں کھایا۔ ورنہ خدا جاتے زبان کا کیا رنگ ہو کر رہتا علم آئے اور مصنفلوگیات ساتھ لائے۔ علم ریاضی اور طب کا اثر سارے یورپ میں سراسیت کر گیا۔ دیکھ لواہتک عرب فیگر زیعنی ہند سہائے عربی اس سرے سے اوس سرے تک منتقل ہیں۔ اب تک یہی کھلا تے ہیں۔ رومن ہند سے بیکھارنا ہوئے اور تھے بھی ناکارہ ہی سے۔ طب کے معاملہ میں زیادہ کیا عرض کروں۔ ”کے“ اور کیٹرنس (داغ دینا) سنکر قیاس کر لیجیے۔ یورپ کی سحریر میں علامات و قفت ندارد تھے۔ ہم نے ایجاد کئے اور سکھائے۔ اب تک وہی ہیں۔ مگر دیکھنے کو آنکھیں درکار ہیں۔ استغفاریام کو ہم فہم جلبہ کے آخر میں لکھتے تھے۔ وہ یہ ہے علام بن کر رہ گیا۔ کو ما وقف ناقص“ و ”فل اسٹاپ وقف کامل، ۵۔ اور طہ کو ما ز قولہ ”قولہ“ اور کیا بتائیں سب کچھ یہی ہے۔ سہارے علم، اور

غیر قوموں کے جہل کی داستان ہے۔ ہزار یہ ہے کہ آج اغیار طعنہ زدن ہیں کہ مسلمانوں کی کوئی تہذیب ہی نہ ہوتی۔ حشم بد بیس کو رہنی تھے۔ خدا کو رہی رکھ، اب عربی کی طرف آئیے۔ اس کی داستان بڑی طویل ہے۔ اس مختصر بیان میں اس کا سامنا مشکل۔ اصل عبرانی ہے اور یہ فرع۔ کہا تو یہی جاتا ہے ہمیں باور نہیں۔ کیوں صاحب اگر معاملہ بر عکس تصور کیا جائے تو بھی ہو سکتا ہے دلیل قاطع دونوں طرف نہیں۔ ہمارا نظر یہ سنئے۔ مینار بابل کے فتنہ کے بعد۔ یہ سامی قوم۔ عرب کے بے آب و گیاہ سنگ لاخ صخراء میں جا گزین ہوئی۔ اور دنیا کے فتنے و فساد سے مزاروں بر سر امن میں رہی۔ یہاں دھرا ہی کیا تھا، جس کا لمحہ فاتح کو گھسیٹ لاتا۔ زبان میں تہذیلی کے آثار نمایاں ہیں۔ مگر سب خلط کا نتیجہ۔ ترک تازی کا نہیں۔ یہی مغرب کی تعبیر ہے۔ پتہ ہی نہیں چلتا کہ لفظ کہاں سے تشریف لایا۔ کوٹ اور قط ملاحظہ ہو۔ کوٹ سند دستان کا لفظ، قط الامارہ میں موجود ہے۔ ہماری نظر میں اصلی زبان یہی ہے۔ جو حضرت آدمؐ بہشت سے لیکر لکھے ہے۔ مذہبی دلیل تو واضح ہے۔ تنزیل کا نزول۔ مگر مسئلہ فلسفیاتہ دلیل کا محتاج ہے۔ قدامت پر اس کی ساخت گواہ ہے۔ اور عرب کے کوہستان شاہد۔ صرف و نخوا کا عجیب ترین ہونا بھی قدامت پر دال ہے۔ یہ قدر و نخوگی اور زبان سے ملکر یہی نہیں کھاتی۔ سمجھانے کیوں اس طے مثال لا بپڑے فعل میں بھردا اور ہز میں۔ بچہ ہز میں در مزید کہیں سنا اور دیکھا۔ بچہ ان کے اثرات معنی پر۔ ایک دن سا کام ہو سکتا ہے۔ اگر تسلیم نہیں تو کہیں اور دکھا دو۔ بلاشبہ زبان پیچیدہ ہو گئی۔ مگر ہر خیال کے نازکترین پہلو کو بیان کرنے کا ذمہ بھی لے لیا

پھر احصا کا سپلواتی ہے کہ عقل و نجک رہ جاتی ہے۔ یعنی اسکا حال ہے مگر
 دس خوبیاں ہیں تو ایک عرب فعل سے جملہ کا شروع ہونا۔ ناگوار خاطر
 ضرور ہوگا۔ اور اچھا خاصاً تفسیر طبع کا سامان بھی یار لوگ مونہ چڑ اکہ
 جہتیا کر لیتے ہیں۔ معاملہ غور طلب ہے۔ کیوں صاحب بغیر فعل کے جملہ ہو سکتا
 ہے جواہ مقدر حزاہ منظہر۔۔۔ اس کے بعد فاعل کا نمبر ہے۔ وہ اتنا اسیم
 ہیں۔ پھر جو جز فقرہ میں اسیم ترین ہو وہ پہلے کیوں نہ بیان ہو۔ لیجئے مئلہ
 حل ہو گی۔ اس لم کو عرب کے سوا کوئی اور دماغ بھی پہنچا؟ اگر سونچو تو
 ہن بیان بھی اسی میں ہے۔ اور تقریر کا زور اسی میں ہضم۔ کیا دوسری زبان
 میں جب کسی بات پر زور دیا جاتا ہے۔ تو یہی عمل در آمد نہیں ہوتا۔ اتنے بے تحاشا
 حدود اور الٹ لام کہیں ہیں۔ کیا یہن کلام کی جان نہیں جملہ کی نحوی
 ترکیب بدلتے میں تبدلی کسی اور زبان میں ہے۔ وسعت بیان کا راز
 پوشیدہ اس سے ظاہر ہوتا ہے یا نہیں۔ پھر جمع مکسر کا دستور الفاظ کی جان بان
 کی وجہ روایتیں اور ہے۔ چلو صرف نحو کے قدر کو جھوڑو۔ ایک اور بات لو۔
 جس چیز میں جو صفت بدرجہ غایت پانی جاتی ہے۔ دی ہی اسی صفت اوس چیز کا
 نام بن جاتی ہے۔ صارم تلوار۔ کیونکہ سب سے زیادہ کاٹنے والی یہی ہے۔
 اب فرمائیے زبان کے جوین اور الفاظ کی بہتات کا کیا حال رہا۔ ہاں سمجھنا اور
 سمجھنا سکھانا دشوار ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اہل زبان بھی اس زبان کو حفظ
 تعمیل نہیں کر سکتے۔ زبان جس قدر قدیم ہو گی، الفاظ اور متون کات کا ذخیرہ اتنا
 ہی زیادہ نظر آئے گا۔ ایک ایک لفظ کے بیسوں معنی بھی اوسی میں پائے جائیں گے

بتابیے دنیا کی کسی زبان کا یہ حال ہے۔ بھر کیوں نہ قدیم ترین زبان اس کو مانا جائے۔ ہم نے جو یہ کہا کہ حضرت آدم کے ساتھ آئی۔ تو اس میں کیا جھوٹ ہے۔ بربان قاطع نہ سمجھی۔ بربان تو ہے۔ ایک نئی بات عربی اور فارسی میں جو ہے، وہ بھی قابل ذکر۔ عربی میں استعارہ الفاظ میں ہے۔ اور فارسی میں لفاظ استعارہ بن کر رہ گئے۔ اصلی معنی مفقود۔ اس نے زبان کا ستاناس اڑا دیا۔

ایک ایک لفظ کی جگہ دو دو لفظ بولنے کی ضرورت ہو گئی اور عربی میں ایک لفظ سے دس دس خیال ظاہر ہونے لگے۔ مثال بغیر سمجھو میں آنا مشکل ہے۔ ہم سرو کہتے ہیں تو قد معشوق استعارہ ہوتا ہے۔ یہ استعارہ ایسا حادی ہوا۔ کہ سرد کے اصلی معنی ہی لا پتا ہو گئے۔ اب اگر سرد سے مراد درخت خاص ہو تو سرو جپن فرمائیے۔

اسی طرح خورشید غلک کہئے۔ جب سورج یقینی سمجھا جائے گا۔ نہیں تو معاملہ گول ہجھوں بیشیک عربی کے اس اشکال نے ایک خرابی بھی پیدا کر دی۔ جب زبان گورک ہندی بن کر رہ جاتی ہے۔ تو اسکا کے قابل نہیں رہتی، ضرور ہے کہ وہ مر جائے عربی پر بھی یہ قانونِ قدرت جاری ہوتا۔ اور اب تک خامتہ ہو چکا ہوتا۔ مگر اسلام نے آکر اس کو زندہ جادی کر دیا۔ کلام پاک نازل ہوا۔ زبان کو آب جیات پلاگیا۔ اگر یہ زبان نہ ہوتی، تو یہ کلام نازل ہونا ہی ناممکن تھا۔ اسی کی جامیعت اس کی تاب لاسکتی تھی۔ اگر یقین نہیں تو دوسرے صحیفوں کی زبان دیکھ لو۔

دوسرے مذاہب کی الہامی کتابیں اٹھا کر پڑھ لو۔ ایسی پرمنتر ہوں تو ہمارا ذمہ۔ جب زبان اس دھمک پر آ جاتی ہے تو اس میں سے نئی زبان کا پیدا ہونا لازمی ہو جاتا ہے۔ یہ ہوا۔ بعثت کے بعد کی عربی ملاحظہ ہو۔ کیا یہ زمانہ چاہلیت

کی عربی ہے۔ ایک نئی بات یہ ہوئی، کم سے کم تبدیلی ہوئی۔ اور مشکل زبان کے ساتھ ساتھ زبان میں سلاست آگئی۔ وہ پیچیدگیاں اس میں پتہ کو ہیں رہیں، خوبیاں رہ گئیں عیب نکل گئے۔ اسی نے اس کو اپ تک زندہ رکھا ہے۔ اور آئندہ بھی انشاء اللہ زندہ رہیں گی۔ جب یہ زبان ایرانیوں کے ساتھے چڑھی تو اونکی رنگینی طبع یہاں بھی رنگ لائی۔ جونشر اور نظم اس اثر کے ماحت لکھی گئی وہ عربی رہی نہ فارسی۔ نہ تیتر نہ پیش۔ خداۓ تعالیٰ کا شکر ہے کہ مقبول عامہ میں ہوئی۔ اس بدعت کا حلب خاتمه ہو گیا۔

میں آپ کی بہت سمع خراشتی کر چکا۔ مگر یہ ماننا پڑے گا کہ ساری ہائی پتہ کی کہی ہیں۔ ابھی تک حرف مطلب سے دور پڑا ہوں۔ مولوی صاحب یہاں تک کہنے ہی پائے تھے۔ کہ چوبدار نے آگے بڑھ کر ہاتھ باندھ کر چکے سے کچھ اعلیٰ حضرت سے عرض کیا۔ اخنوں نے مدارالمہام ہیادر سے کہا۔ مدارالمہام نے مولوی صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا، ارشاد ہوا ہے کہ آپ تقریر بند فرمائیں خاصہ تیار ہے۔ آپ بھی تناول کریں۔ بھر تقریر کا سلسلہ جاری کیا جائیگا۔ مولوی صاحب کی حادثت سنئے، بادشاہ کے ہاں آتے ہیں اور پیٹ بھر کے شرما ستر می کچھ کہہ تو سکے ہیں۔ اور کہنے کا موقع ہی کیا تھا۔ کان دبا کر ساتھ ہوئے۔ سب میز پر جائیجئے۔ کھانے دونوں فتم کے تھے۔ انگریزی اور مغلانی۔ کچھ چکھا چکھی کر لی۔ بڑھے آدمی پیٹ بھرے پر کیا کھا سکتے۔ لمحائے بہت اور اپنے پر سخت لعنت ملامت کی کچھ صاحب خانہ پر بھی بخصلہ آیا۔ اخنوں نے کیوں نہ جتا یا۔ کھانا ختم ہوا۔ اور تقریر شروع ہوئی۔

خطبہ کا دوسرا حصہ

زبانِ رنجتہ

آریا قوم نے ہندوستان فتح کیا۔ زبان اور تہذیب ساتھ لائی۔ بسط ایشیا سے آئی۔ وہاں کی زبان اسلکی زبان۔ وہاں کا مذہب اسلامیہ فارسی اور سنسکرت کی مشابہت۔ اور وہ بھی ہزاروں برس کے بعد قدرت کا عجیب نظر اڑھے لفاظ جوں کے توں رکھے ہیں۔ کلال کا لفظ اور گنتی ملا جنہوں نے ایسا عامہ ہے۔ کہ مثال کی بھی ضرورت نہیں۔ اب سنسکرت کی بیتی سنئے۔ بیردنی جملے ہوئے مگر حکیم بونو کے چمپکارے سے زیادہ دقت نہیں رکھتے زبان میں آثار نہ چھپوڑ سکے۔ ہاں جب بدھانے جنم لیا۔ تو مذہب اور زبان دونوں کے انجر پھر دھیلے ہو گئے۔ یا پی نہ حکومت کے روپ میں درشن دئے پھر بھی سنسکرت کا کچھ نہ لگھاڑ سکی۔ پنڈت کی کھنڈت نہیں ٹڑی۔ پنڈت بازی لے گیا۔ بلکہ تہکھنڈے یاد کھتے جو پہلے بھتی دہی بات ہو گئی ہوتے بکو آئی ہے۔ سنسکرت ٹڑھیا ہو گئی۔ پتیراں بہت سی جنیں۔ لو دو ایک کا نام سُ پنجابی، مہری، گراتی، بیگانی۔ کوئی سہاگن۔ کوئی بروگن۔ کوئی چھیسلی کوئی رسی مگر سب کی سردار۔ بڑی حلپتی پرزا۔ ایک صاحبزادی لکھلیں۔ ان کا تام بی رنجتہ ہوا۔ علم و ادب کے مال و دولت نے ان کا گھر بھر دیا۔ اب اس قصہ کو چھپوڑو۔ یہ سو کہ زبان میں وہ کیا چیز ہے جو اوس کوپنی ماں کی بیٹی بناتی ہے۔ بھائی

دہ افعال میں۔ اور حروف حسب زبان سے یہ دونوں چیزیں لی جائیں۔ وہی دوسری زبان کا مأخذ قرار پائی ہے۔ اردو میں دیکھیے لو، فعل اور حرف کہاں کے ہیں بس سنکرت کے۔ تو یہ سنکرت کی بیٹھ قرار پائی۔ رہا یہ کہ کب جنم لیا۔ اور کہاں جنم لیا۔ کب کی نسبت تو یہ کہا جاسکتا ہے۔ کوئی سزا رسوا ہزار برس پہلے۔ اور کہاں نگی بیہ بات ہے کہ دادی گنگا سے یہ لڑکی گنگا اشنان کو جانی دیکھی گئی تھی۔ لڑکی بھی سندھ تھی۔ دودو چاہنے والے پیدا ہوئے۔ سہندو اور مسلمان۔ سہندوں نے اپنی طرف گھیٹا۔ مسلمانوں نے اپنی طرف۔ سہندوستان کی رہنے والی تھی یہاں عورتیں دیویاں کہلائی ہیں۔ اس نے دور دپ میں درس دیا۔ سندھ کو مسلمان کے بعد گدھ فاتح تھے۔ طاقتو ر تھے۔ اسلامی تہذیب کے حامل تھے۔ اسلامی علوم سے بہرہ ور تھے۔ نوجوان تھے اور کیا تھے۔ سہندوں کا کام ختم ہو چکا تھا علوم کو زنگ لگ گیا تھا۔ تہذیب میں باندا آنے لگی تھی۔ مسلمانوں کی تلواروں نے پشت خم کر دی تھی۔ سارے بڑھاپے کے آثار نایاں تھے۔ انھوں نے بھی پالا۔ مگر کہاں مسلمانوں کا پاتا اور کہاں اکنا۔ اب ان تشبیہات اور استعارات کو چھوڑ دے۔ نہیں تو اصل مطلب خبیط ہو جائیگا۔

مسلمان سندھ پر حلہ آور ہوئے۔ ملک فتح کیا۔ مگر وہ سختا ہی کیا۔ جو کچھ اثر دکھاتا۔ ہاں جب محمود غزنوی آیا۔ تو اوس نے کچھ کروکھایا یہاں سے دو سہندی زبانوں کی بنیاد پڑھنی تھے۔ ایک سہندوں کی سہندی جو سہندی کہلاتی ہے۔ اور دیوناگری حروف میں لکھی جاتی ہے۔ دوسری مسلمانوں کی سہندی جس کا نام اردو اور رجھنہ ہے۔ سہندوں کی سہندی کی کہانی کچھ عجیب نہیں۔

آگے جا کر بیان کر دیں گے۔ ہاں اردو کی دلّت ناور ہے۔ غزنوی حملوں سے اس کی ابتداء ہوئی ہے۔ محمود آیا۔ ملک کوتہ والا کیا۔ مال اور دولت سمیٹا۔ بندی گرفتار کئے۔ اور وطن کو لمبا بنایا۔ ایک بارہ بیس سترہ پار منا ہے کہ بندوں کے لونڈی غلام غزرنی گئے۔ اور وہاں پھیلے۔ یہ گرم ملک کے کالے کلوٹے باشے افغان شہزادوں کے کام کے لئے ملکیتے ہے کا تو ان میں دم نہیں، اگر ہوتا تو پاپہ جولائی اپنے ملکیتے ہے کیوں لائے جاتے۔ قوچ فرے تو ان کے بن نہیں سکتے۔ ہاں بخ کے کاموں میں کام آ سکتے ہیں۔ اپنے کام لو تو کیونکر لو۔ ایک دوسرے کی بولی نہ سمجھے۔ قاضی کانپاوس جوا۔ بیچوں بیچ کی بولی اختیار کی گئی۔ نہ فارسی نہ سندی۔ اردو۔ اردو کے لفظ سے یہ سمجھا گیا کہ یہ شکری زبان ہتھی۔ اردو چنگیز خانی ترکی میں شکر کو کہتے ہیں۔ مگر یہ بات سمجھجہ میں نہیں آتی۔ نزے لشکر سے زبان کو کیا تعلق۔ یہ تو گھر اور باہر ہر جگہ بولی جاتی ہے۔ یوں ہوتا ہو۔ غلام لونڈیاں آخر لشکری پکڑ کر لاتے تھے۔ یہ انہی کا مال ہوتا تھا۔ انہی کے کام کا ج کرتی تھیں۔ انہیں کے ساتھ یہ مخلوط زبان بولی جاتی ہتھی۔ یوں لشکری ہو جائے تو ہو جائے۔ دوسرانام اس کا ریختہ ہوا۔ اسکی وجہہ ستمیہ کیا بھٹھری، بس یہی۔ کہیں کی ایسٹ کہیں کارروڑا خالہ عجائختی نے کنبا جوڑا۔ کچھ شکست اور ریختہ فارسی کچھ ٹوٹی چوٹی سندی، لوٹی زبان بنتے لگی۔ محمود کے بعد مسلمانوں کا استقل قبعتہ ہونا شروع ہوا۔ پہلے پنجاب پر چھری سارے سندوستان پر۔ دلکھ پیچئے۔ پنجابی زبان اردو سے بہت قریب کا رشتہ رکھتی ہے وجہ یہی کہ وہاں مسلمانوں کا بہت قیام رہا۔ مگر چھوڑے دنوں بعد دہلی پائی تخت

قرار پایا۔ ہر چیز صدر مقام کی صدر تھیں۔ زبان اس سے کیوں مستثنی اہم مسلمانی
 سہندی یا ارد و کامر کز بھی دلی ہی کھٹھڑا۔ کچھ سہند و مسلمان ہو گئے۔ کچھ مسلمانوں کا
 سہندوں سے تیادہ میل جوں ہوا۔ محلوں میں سہند نیاں طرح طرح سے داخل
 ہو گئیں۔ ان کی زبان سہندوںی سہندی۔ سب نے مل کر مسلمانی سہندی کو راجح
 دینا شروع کیا۔ ادھر عربی خارسی میں علوم و فنون تھے۔ نو مسلم ان سے بے بہرہ
 رہتے۔ اگر کوئی ایسی زبان نہ ہوتی جوان کو اون تک پہنچا سکے۔ اب تھیں اور ارشاد کا
 سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ فاتح حجموں کو تو تاخیر کر چکے۔ اب روحوں کی باری آئی۔
 مذہبی تعلیم کو ان تک پہنچانے کے لئے بھی کوئی آله در کار ہے۔ یہ کام بھی سہندی کے
 سپرد ہوا۔ مذہب اپنے ساتھ عبادات اور فلسفہ اعتقادات لاتا ہے۔ اس کے
 بیان کرنے کی عیر زبان میں استفادہ نہیں ہوتی۔ وہاں جو لفظ موجود ہوتے ہیں
 وہ ان نے معنی میں استعمال ہی نہیں ہو سکتے۔ لا کھ کھیچو تا نو۔ لیجھے دعا کا ترجیح
 سہندی میں کیجھے۔ پر اتحفہ کہئے۔ کیا مرطاب سمجھ میں آیا؟ دونوں میں زین
 و آسمان کا فرق ہے۔ اب اس لفظ کا سہندی میں داخل ہونا ضرور ہوا۔ اس
 طرح ایک نہیں سزارہ لفظ اردو میں داخل ہو گئے۔ یہ سب عربی کے ہیں کیوں
 نہ ہوں مذہب عرب سے آیا ہے۔ وہاں کی بولی ساتھ لایا ہے۔ یہ لفظ اردو
 ہی میں نہیں، سہندی میں بھی صورتے بہت آگئے۔ چارہ ہی نہ تھا جیاں
 ہی ادا نہ ہو سکتا تھا۔ مفتوحہ ملک میں مسلمانوں کو اپنی تہذیب بچپن لازمی بھی
 ہر فاتح کا یہ اصول رہا ہے۔ اس کے بغیر فتوحات کو اسکام ہی نہیں ہوتا۔ مسلمانوں
 کی تہذیب کا مخزن ان کا مذہب ہے۔ بھرپور کام بغیر تبلیغ مذہب کیونکہ انجام پائے

اس لئے سب سے پہلے جواردوں میں تصانیف ہوئیں وہ مذہب میں تعلق رکھتی تھیں۔ ایسی کتابیں اب تک نظر آتی ہیں۔ ان کی اردو عجیب شان کی ہے۔ اب تو سمجھنے میں بھی دقت ہوئی تھے۔ انسان کو کچھ نہ کچھ دل بیلانے کو چاہئے۔ زبان میں تفریح طبع کی چیز فنا نہ ہیں۔ ان سے دو کام نکلتے ہیں۔ دل بھی بیلنا ہے اور زبان بھی آتی ہے۔ اور جس قوم کی یہ قصہ کہا تیار ہوئی ہیں۔ اُس قوم کی تہذیب کا بھی رنگ چڑھتا ہے۔ ان ہی اصول پر اب قصہ کہا شیوں کی باری آئی۔ دہ لکھی گئیں۔ ایک بات یہاں قابل اعتناء ہے۔ اردو رسم خط دیوناگری کیون ہوا۔ اس کا ملک میں رواج تھا اگر ہو جاتا تو کیا سرج تھا۔ کہتے ہیں کہ اس کا پڑھنا بھی آسان ہے اور لکھنا بھی۔ اس کی دو وجہیں ہیں زبان تو بچماں کی گود میں سمجھتا ہے لکھنا پڑھنا تو وہاں نہیں سکھایا جاتا۔ یہ تو پڑا ہو کر کھینچیگا۔ جو رسم خطا چاہتے سکھے سے سبکے ابر ہیں علاوہ پریں زبان کی تو پڑھا اور ان پڑھ سکو ضرورت پڑتی ہے لکھنا پڑھنا تو مدد و چند سمجھتے ہیں۔ اب کی بھی کہی کہ تعلیم عام پوری ہے پہلے تو یہ نہ تھا۔ اور اب بھی ہو ہوتے صدیں درکار ہیں ہمیں تو گنوار دہی لٹھ کے لٹھ نظر آتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہ آوازیں جو اردو کیوں سطے ضروری ہیں؟ ہمیں ناگری حروف میں موجود ہیں کیونکہ وہ ہمارے گلوں ہی سے کیوں نکالنے لگیں ہم تو مہندی ہیں۔ ہمیں عغق سے کیا تعلق۔ ہمارے تو گلے ہی ان آوازوں کے لئے ہمیں بنے۔ یہ تورکستان عرب کی صوتیں ہیں۔ مہندستان جنت نہیں میں کہاں دھریں۔ یہاں سے ایک بڑے مرے کی بات کا پتہ چلتا ہے۔ اسلام کی ایک عجیب تاثیر ہے۔ جہاں آدمی مسلمان ہوا۔ اُس کا دل ہی نہیں بدلتا۔ جلق بھی بدل جاتا ہے۔ لاکھوں مہندو مسلمان ہو گئے۔ اون کی نسلیں

آج موجود ہیں۔ دمکھے لو اونکے گلے سب آوازیں لکھاتے ہیں۔ مگر ہاں حجھوں نے
ذمہب تبدیل نہیں کیا۔ اون میں بیشتر کے گلے سچے کے سچے ہی رہے۔ بھرپڑے کی
تقریت لفظ کے معنی پر اثر رکھتی ہے۔ اوس کے ماغذ کا پتہ دیتی ہے۔ دیوناگری میں
یہ بات نہیں پیدا ہو سکتی ہے۔ وہاں تو ایک ت ہے طکہاں۔ آپ فرمادیں بات
سمجھنے سے کام ہے۔ طکی جگہ ت سہی۔ جی ہاں آپ نے فرمایا اور ہم نے مان لیا میاں
ہوشیں پر سے صدقہ دو۔ یہ آن پڑھوں کی بات ہے۔ ذرا پڑھو لکھو تو معلوم ہو
کہ کیا حزا بی سہو جاتی ہے۔ گھر میں بیٹھ جو چاہو سکارا کرو۔ اٹے کے صدقہ میں
ایک لفظ سیکھ کر زبان کے میں لفظ محلوم سہو جاتے ہیں۔ اگر یہ نہ کرو گے تو ایک ایک
لفظ کو الگ بیٹھے رٹا کر نہ۔ بھر بھی روز نئے لفظ سامنے آجائیں گے۔ سمجھائی اگر ارد
میں صرف فارسی ہی کے لفظ شامل ہوتے۔ تو کام حل چاتا۔ مگر آفت توعیٰ کی
ہے۔ سمجھے بیٹھے ہو کہ فارسی سیکھ لی، لوحیٹھی ہوئی۔ اعلیٰ درجہ کی اردو آگئی۔ بات یہ
نہیں۔ یہاں پچھے پچھے پر عربی ہے۔ حزاہ وہ فارسی ہی کے ذریعے سے کیوں نہ
آئی ہو۔ اس پر ہم آگے حل کر بحث کریں گے اور تم کو سمجھادیں گے۔ لو ایک ذرا
کی بات کہے دیتے ہیں۔ فارسی زبان بھی تو اسلامی، فتح کے پہلے لکھی جاتی تھی۔
اوس کے بھی تو حروف تہجی تھے۔ جب عرب بُوں سے چھپکارا ملا اور یہ دو ایک ہی
صدی میں ہو گیا۔ دہاں کیوں عربی حروف نے رعایج پایا۔ کیا وہ سب
کے سب گدھے تھے کہ اپنے آسان حروف چھوڑ کر غیر زبان کے حروف اختیار
کرتے۔ وجہ یہ تھی۔ عربی علی کر کے زبان میں داخل ہو چکی تھی۔ اب بغیر ان
حروف کے فارسی زبان سکیسی ناممکن ہو گئی۔ مجیور احتیار کرنے پڑے۔ ہاں نسخ

رسم خط کو جھپڑ کر نتعلیق پر اتر آئے۔ قصہ کو طول ہو جائے گا۔ ہم تو اس کی توجیہ کو بھی تیار ہیں۔ مگر یہاں اس کا موقع ہیں۔ اچھا اور ایک بات سنو یہ نہ ہے میں انگریز حاکم بننے۔ عربی حروف میں انجھے۔ رومان میں کتابیں جھپپیں۔ بھرداہ تحریر ملک کی تحریر کیوں نہ بن گئی۔ بھانی یہ تو آتا ہے وقت کے حروف سنتے۔ سر پر رکھے ہوتے۔ ساری انگریزی باتیں تو سکھے گئے۔ یہیں آ کر بچپ گئے۔ بات یہ ہے لکھو مگر پڑھے کون، ہٹھیک سرے سے پڑھا ہی نہیں جاتا۔ فرمادیجے مشق سے سب کچھ ہو جاتا ہے۔ مشق بھی کی۔ بھر بھی ناکام رہے۔ کوٹ پیلوں تو ادن کا پہن لیا۔ شست و برخاست میں اون کا تتبع کیا۔ یہ بھی تو کیا ہوتا۔ سندی اردو سب رومان میں کردی ہوتی۔ کرتے اور ضرور کرتے، مگر ہو بھی سکے۔

ایں خیال ہست و محال ہست و جنوں

خیر اس بحث کو جانے دو۔ اصلی مقصد پر آؤ۔ مسلمانی سندی دن دو فی اور رات چوکنی ترقی کرنی گئی۔ یہاں تک کہ سندوانی سندی کو بھی لے ڈوبی۔ اوس میں بھی بے تحاشا فارسی کے نہیں بلکہ عربی کے فقط لکھن گئے۔ کیا کر سکتے تھے زمانہ کا تغیر بھایہ ہونا تھا۔ اگر لفظیں نہ آئے تو کبیر کے دو ہے پڑھ لو۔ سکھوں کی گرینٹ صاحب کو دیکھو۔ مگر ہمارے ساتھ چل کر دیکھنا کیا کیا نکلتے بتاتے ہیں یہاڑا ذمہ سہارا کلمہ پڑھنے لگو گے۔ اب شاعری کی نوبت آئی۔ شعر کہنا کیا۔ پہلے پہلے دو سطریں اردو میں لکھنی اہل علم اپنی توہین سمجھتے تھے۔ ہاں علماء دین کوستشی کر دو۔ وہ بھی تبلیغ کی خاطر۔ سب ایک ہی زمکن میں رنگے ہوئے تھے مسلمانوں کا کیا ذکر، خود سند و اگر اپنے کو ذمی و قوت شمار کرنا چاہتے۔ تو فارسی کے سوا

کوئی اور زبان نہ لکھتے۔ فارسی پڑھتے اور اس میں استعداد فخر تصور کرتے ۔
 یہ حکومت کا اثر ہوا کرتا ہے۔ اب دیکھو لو۔ جن کو ذرا نمہور انگریزی کی شدید ہے۔
 وہ سہربات میں اوسکی ٹانگ توڑتے ہیں۔ اس حرکت نے ایسا زور لکھا ہے۔ اردو
 میں بہت سے انگریزی جملے الٹا سیدھا ترجمہ ہو کر آگئے ہیں۔ زبان میں الفاظ
 آجائنے کا۔ نہ ہیں۔ مگر اجنبی ترکیبیں زبان کے جن کو بھارت دیتی ہیں۔ کیا کیا
 جائے۔ پھر زبردست زبردست ہی ہے۔ لو ایک اور بات سنائیں۔ کونگریس کا
 نعرہ سنو۔ جس کو ہمارے سہند کے سپلاؤ آن گھار ہے ہیں۔ ”القلاب زندہ باو“
 سُبْحَانَ اللّٰهِ كَيْا خوب اردو بھی نہیں۔ ترکیب پوری کی پوری فارسی کی۔ دو
 فارسی کے الفاظ ایک عربی کا۔ کیوں بھائی؟ الٹے پٹ جو جو کیوں نہیں کہتے۔
 لوہم نے ترجمہ کر دیا۔ میں اپنے موصوع سے بہت دور کھل گیا۔ اب شعر اور
 شاعری کا حال سنو۔

جس زبان میں اہل علم لکھنا تک اپنی تو ہیں سمجھیں۔ اوس میں شرکیا
 یہ تو سخن کی جان ہے۔ پھر یہ کیا تاشا ہے۔ پھانوں کے عہد سے شعر موجود ہے
 ابھی مغلیہ علداری دور پڑی ہے۔ اور وہ بھی دکن میں۔ ہمارا نظر یہ تو اس
 معاملہ میں یہ ہے۔ غلط ہی سہی۔ ہم توفیرت سے استدلال کرتے ہیں جواب
 آدمی کو کرتا دیکھتے ہیں۔ یہ سمجھ لیتے ہیں۔ صدیوں سے یہی کرتا ہوا آتا
 ہوگا۔ انسانی دماغ سہیشہ ایک ہی روش پر چلتا ہے۔ تم کو مشاعروں میں
 توجانے کا اتفاق ہوا ہوگا۔ وہاں سلنے سہنانے کے لئے کچھ مخربے پن کی
 بھی غزلیں سئی ہوں گی۔ یہ بہت ادنیٰ درجہ کے شاعروں کا کام ہوتا ہے

یوں فہ اچھا شرکہ نہیں سکتے۔ کہ واہ واہ کے لغروں سے مغل گونج اٹھنے میں ہو۔
 شعر کہہ کر تفریح طبع کا سامان جھیا کر دیتے ہیں اور حادیتے ہیں۔ بس یہی ابتدا اردو شاعری
 کی نظر آئی تھے۔ شاعرے فارسی کے سوتے تھے۔ مذاق اڑوانے کو اردو کی
 غزلیں پڑھی جاتی تھیں۔ دلکھو لیجئے۔ سارے اول نمبر کے شاعر اس زمانہ کے
 فارسی گوہیں وہ بھی مہندوستان کے نہیں تازہ ولایت بگر کیا پوچھتے ہو
 اس سند رنار میں بڑا جو بن ہے۔ سہنے سہناتے دل مودہ لیا جلدی
 نہیں بڑی دیر میں۔ آؤ تم کو بتائیں اسکی ایسی مہنی صورت کیسے بنی۔ ساری نیا
 کی زبانوں میں دوسری زبانوں کے الفاظ موجود ہیں۔ لھن میں بڑی تعداد
 میں بھی۔ مگر زبان ان کے بل پر نہیں بنی وہ تو م وجود تھی۔ یہ مہماں بن کر آئے
 اور رہ پڑے۔ بیپاں معاملہ نے دوسری صورت اختیار کی ہے۔ زبان ہی
 ان کے میل بوتے پر قائم ہے۔ بھر دلکھو یہ کن زبانوں سے مرکب ہے عربی
 فارسی۔ ایک اپنی بلاعث میں بے مثال۔ دوسری شیرینی میں لا جواب۔
 باحت کے ساتھ ملاحظ۔ دو بالا ہو گیا جو بن کسی کا۔ اس کے عالم میں
 تین ادبی خزانوں کے مالک۔ کہہ دو وہ تو عربی فارسی داں ستحے۔ تیرا کونسا۔
 سمجھ شاگھان ادن کے با تھہ لگا سخا۔ خوب اعتراض کیا۔ بھاجی۔ وہ سنگرت کا
 گنج ہے۔ کیا یہ ایسی ولیٰ زبان ہے۔ یہ بھی جواہرات کی کان ہے۔ مگر میں
 اخنوں نے نہ یہ پڑھی نہ لکھی۔ مالک کہاں سے بن بیجھے۔ وہ مہندوستان کی
 سہوا میں سرایت کئے ہوئے تھی۔ پنڈ توں کی کھا میں کوئی معمولی خیر نہیں
 ان سے میل ملا پ کیا۔ کیا یہ تعلیم کم تھی۔ اگر یعنی نہ آئے تو حاکی کا دیوان

اٹھا کر پڑھ لو۔ یہ تو تم کو معلوم ہے۔ حالی مرحوم انگریزی کا ایک نقطہ بھنپیں جانتے تھے۔ چھریہ انگریزی کے نقطہ کیسے اور انگریز خیالات کہاں سے آئے وہی ماحول کے اثرات۔ ایک مصروع مثال کے طور پر عرض ہے۔

ہے کنگڈم سے آسائیں میڈم کو لبیں لانا

دوسرے سنکرت کی کتابیں ترجمہ ہوئیں۔ حناہ کی عرض سے ہوں ہم نے پڑھیں اور فائدہ اٹھایا۔ خیالات لئے الفاظ لئے۔ مگر وہی جو اپنے معلوم ہوئے۔ کوئی بیرہمیں کوئی شخص نہیں۔ اب ہم نے وہ تباہ پڑھی جس کا نام ہندوستانی تراش گیا ہے۔ صفحے کے صفحے گردان کئے، مگر خاک پلے نہ پڑا۔ اب کسی پنڈت کو لا میں گے، جیسے بھیں گے۔ یہ نہ اردو نہ ہندی خشکہ باہر دزہ گزہ اگرچہ گزہ مگر ایجاد بندہ۔ کیوں بھائی کی اس کے چلنے کی کوئی امید ہے۔ ہمیں تو سالوں کی گھاس معلوم ہوئی نہ ہے۔ آہستہ آہستہ اردو شاعری ترقی کرتی گئی یہاں تک کہ مغلیہ سلطنت کا دورہ آگیا میرا درسودا کی باری آئی۔ اب تو یہ فرائٹے بھرنے لگی۔ وہ جوین نکھرا کہ باہر دشاید۔ فارسی کے شیدائیوں نے بھی ہار مان لی۔ اور اسی پر اتر آئے۔ سب کے ڈبل کلام موجود ہیں۔ فارسی اور اردو جب تک شاعر فارسی گونہ ہو کسی شمار ہی میں نہیں۔ مسلمان تو مسلمان ہی بھٹھرے۔ ان کو تو فارسی سے خاص نہ ہے۔ ہندو شاعر بھی فارسی فخر یہ فرماتے ہیں۔ اور یہ جاتے ہیں کہ ہم بھی کچھیں کیا کریں دربار اور ففات کی زبان آخزی دم تک فارسی ہی رہی۔ چھر فارسی اپنے پر فخر نہ کریں تو کس پر کریں۔ اگر بادرنہ ہو تو دلکھ لو۔ دلی آبادیک کے شاعر۔

غالبِ مومن شفیقتہ آزدہ کے دودو دلیوان موجود ہیں۔ غالب نے صرف تفشن طبع کے لئے اردوگو فی اختیار کی۔ بطرہ امتیاز تو فارسی ہی کو سمجھتے ہیں جو امتیاز کی چیز سمجھتی وہ بے امتیاز ہے کہ رہ گئی۔ نام و نشان تو بیکم صاحب ہی سے چل۔ مومن خار مشفیقتہ اور آزدہ سب کو یہی دھن سمار ہی ہے۔ اس کا کیا کوئی اب تک حالی کو دیکھیے تو۔ فارسی میں سفر نامہ حکیم ناصر خسرو فارسی مرحوم کی یاد گا رہتے۔ صرف نواب مرزاد اونچ مستثنی ہیں۔ یہ اردو کے پچھے عاشق ہیں اتنی دور کیوں گئے۔ اقبال کو دیکھیے تو۔ اب تو ہمارے قول کی تصدیق ہو گئی میر اور سودا تک شعر سب اہمتر کی صفت کا رہا۔ هر ترا اور مومن نے آخر کو روسرائی گے جمایا۔ یہ وہی ہے جو فارسی شاعری میں سعدی اور حافظ سے آگے چل کر نظر آتا ہے۔ مگر وائغ اور اوس تاد و ذوق ثابت قدم رہے۔ احقوں نے سندھ کی کو گلے سے لگایا۔ ایران کی پرمی کی طرف نسبت ڈانوا ڈول نہیں کی۔ دیکھو سجاںی غور کا مقام ہے۔ وہ زبان جس کو ان شاعروں نے خون ہجڑی پی کر بنایا۔ اور جوار دعائی، رب کی جان ہے۔ جس میں ایک طرف عربی کی بلاخت ہے اور دوسری طرف فارسی کی حملادست۔ پھر سنگرست کے عملی حالات کی چاندی چاہیو تم اس کو ہندوستانی میں تبدیل کرتا چاہتے ہو۔ آتے والی نسلوں کو ہونہ دکھانے کی چگی نہیں رہے گی۔ کہ کس سندھ نام کو تم نے چڑیل بنایا ذرا ملاحظہ ہو وہ قوم جس نے مہما بھارت اور رامان سنگھی اوسمی نے اردو شاعری کی صحی نہیں بٹھانی چاہی۔ دماغ و بیتختے۔ مگر نہ کوئی سو نظر آتا ہے۔ نہ میر نہ مرد۔ شعر

نہ ہوا پر نہ ہوا میر کا امداز نصیب
 ذوق یاروں نے بہت زور غزل میں لرا
 آخر اس کا کوئی سبب بھی۔ کیا جان لڑادیسے میں کمی کی۔ یادِ ماعنوں
 میں قابلیت نہ می۔ یہ تو ماورنہیں آتا۔ پھر مشاہدہ کیوں تکذیب کرتا ہے۔
 کہیں اعلیٰ پائی گی کا نشان بھی نہیں۔ بہت دماغ سوزنی کی، جب جا کر
 پناہلا کہ آخزماجرا کیا ہے۔ فارسی اور اردو کی شاعری کا عنصر عظیم عربی ہے
 ہمارے ہندو بھائیوں نے فارسی تو پڑھ دٹالی۔ اور خاصے لاٹھ بھی ہو گئے
 مگر عربی کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔ یہ پڑھ لیتے تو کچھ نہ کچھ کام بن جاتا۔ کہہ د
 مکہارے اردو کے شاعر کرنے عربی کے شمس العلامہ نتے۔ داعی۔ میر سودا جو
 آسمان کے تارے تور ٹتے ہیں۔ عربی میں خومیر سے شاید ہی آگے درس لیا ہو
 اور فارسی بھی واجی ہی سی جانتے ہیں۔ پھر یہ کلیے کیسا۔ یہاں دونکھتے ہیں
 ایک تو یہ کہ گھر سے لے کر باہر تک صحبتوں میں عربی کا عمل درآمد تھا جزو د
 صروری باتیں آجائی تھیں۔ دوسرے مذہبی کتابیں پیش نظر ہتی تھیں۔ تھی
 مباحثت میں حصہ لیتے تھے۔ یہ سب اون کے دماغوں کو عربی سانچہ میں ڈھان
 دیتا تھا۔ ہندوؤں کو یہ کہاں تصیب۔ ان صحبوتوں میں آتے بیٹھتے استفادہ کرتے
 مگر کتنی دیر، یہی ایک آدھ گھنٹہ۔ پھر جہاں غیر مذہب اور قوم کا آدمی صحبت
 میں داخل ہوا، اور صحبت کارنگ بدلا۔ نہ وہ زبان رہی نہ وہ حنیلات۔
 گھر اور گھر کے پاہر وہی ہندو اپنی صحبت، وہی ہندو اپنی ماحدوں، دماغ روشن
 ہوں تو کہاں سے۔ اس پر مزاج کی نگیں اور ادب ارشی غزل کی جان۔ ان کو

کہاں نصیب۔ یہ توصیف صافی منش چراچرو کر مصنفوں گانٹھ لیں۔ آپ بیتی اور
چشم دید تو ہونے سے رہی۔ شعر۔

آپ بیتی جو نہ ہو ہے وہ کہاںی یہ لطف
گرچہ ہوں لغذ فصح اور زبان ملکا لی

ایک اور بات سنو۔ ذرا شاعروں کے ناموں کی فہرست پڑھ جاؤ کوئی
میر کوئی مرزا کوئی خال فنا حب۔ سمجھے اس کا کیا مطلب ہوا۔ سب باہر کی
تلیں۔ ہندی دماغ ہیں۔ کسی کا عرب کا، کسی کا عجم کا۔ یہ اثر کہاں جاتا۔
ربان ان کی دماغ ان کا۔ رنگ لا پا پر لا یا۔ ہندوؤں کو یہ بات ورشہ ہیں
ہیں۔ آپ سے آپ مسلمان سبقت لے گئے۔ ایک اور ستائش کی بات سنو۔
ہمارے ہندو بھائیوں نے انعد کے دفتر کے دفتر سیاہ کر مارے اور اپنی بُٹ
کے موافق کچھ نہ کچھ کر دکھایا۔ مگر ان سارے دفتروں میں نہ کہیں کوئی تتمیہ
رجحی کی صبح میں نہ غزال الحمین جی کی تعریف میں۔ وہی تمدود ہی نہت۔ ہر جز یہ
کیا ہے۔ کیا اپنے اوتاروں کو صحیل لے گئے۔ نہیں بھائی تبرے نہیں یہ
دہی نقابی کی صنعت ہے، جس کے لئے سند وستان مشہور ہے۔ یہاں اپنی
خشنکل سے موجود پیدا ہوتا ہے۔ یہی تو ہم پر مارہے جو ہم آج دوسرا تو ہوں
رسے پیچھے رہے جاتے ہیں۔ جہاں جلتے ہیں نقابی کرنے تے ہیں۔ اپنی طرفت می
کچھ نہیں کر دکھاتے۔ ہاں زبان پیان نقابوں کا احسان ضرور ہے۔ ہم
آنکھوں پر کشیدی رکھنے والے ہیں۔ آج جو کر دڑوں ہندو مرد اور عورت
مسلمانی ہیں۔ ہمیں بول رہی تھے ہیں۔ یہ ابھی کے مسائل کا نتیجہ ہے۔ یہ کہاں کسی عذر

مختلف ہے۔ مگر شیری اور لطافت میں کم نہیں۔ سمجھنی بھی دشوار نہیں خدا خیر
کرے، اگر یہی میں و نہ ہے تو ایک دن یہ تفسیر جو کریمگی۔ بھروسہ اقی دو
زبانیں پیدا ہو جائیں۔ تم ترقہ مٹانے چلے ہیں، ڈر ہے کہ بڑھنے جائے۔
سچا ہے بندگوں کی مدد ہاسانی کی کرانی پر پانی نہ بھر جائے۔ اردو شاعری کے
دو اور سیلو و لکھو۔ پیدا نہ ہی شاعری کو لو۔ شاعری تو یہ کیا خاک ہے جو لوایو کی
یہی بندی ہے۔ اس فرقہ نے کہا آؤ ہم بھی رجوع کا۔ شہیدوں میں داخل ہوئی
کیا تم تھوڑے باپ کے بیٹے ہیں۔ اگر غاشق مزانت شرکتہ ہیں نتگیاں مونوی
موج ہتھیں۔ موزوں طبع نہیں۔ حصنور آپ صرزوں طبع بھی ہیں مولوی مذکور
بھی ہیں۔ مگر منافت فرمائیے تھکل میں۔ یہاں تراوی کی صرزوت ہے۔ اب تک
دیکھیو، داعظ طرح طرح کی انظیں پڑھتے ہیں۔ کچھ قدیم میں کچھ عدید یگر سب کی
سبت بہمان اللہ۔ اور ما بناد اللہ۔ یہ بات بالکل صحیح نہیں ہے۔ ہر شیء گوئی بھی تو آخر
نہیں شعری ہے۔ اتنیں اور دیسرے نے جو کرد کھایا، کلام کا مجزہ ہے۔ اور
اردو سخندری کی سحرانج۔ مذہب سے قطع نظر۔ زمینیہ شاعری کے یہ عالی ستین
منومے ہیں۔ اگر ہر شیء گوئہ ہو تو شاعری کی یہ صفت ادھوری رہ جاتی۔
حق یہ ہے، یہ کمی رستی اور بڑی اگمی رستی۔ اس میدان میں سعیر کو سیش
کی چار ہی ہے۔ میتھہ حند نکے ہاتھ ہے۔ ہمیں تو اچھا ہی اچھا سوچتا ہے یہ
تخفیف جا لئے سحر قبکا۔ شام نامہ۔ سلام ہے۔ اگرچہ فردوسی کا سامنا ہی۔ بھر بھی
شناہنا ہے اور شہزادہ کھا رہے۔

اُن سی شیخ نے دار الحکمی بر قیامت کی کسی پر گردہ بات کیاں مونوی مدن کی کسی

تا ہم جو کچھ کرتے ہیں خوب کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مدد فرمائے۔ اب ایک صرف
 سئٹ۔ بھوپیا نہ شاعر ہی ہے جس کے خدام کے سخن میر دردار میراث ہیں۔
 ذرا تھوڑے بھیں۔ یہ صوفیت کیا ہے اور کہاں سے آئی۔ نہ کتاب اللہ سے
 اس کا پتہ حلقہ ہے نہ سنت رسول اللہ سے۔ اسلام کے سبی دو رکن ہیں۔
 اس کے بعد ہے توقف۔ مگر وہ انہی کی خوشہ ہیں۔ وہاں بھی صفا چٹ میدان
 نظر آتا ہے۔ رکاشقہ اور ریاضت کا توپتہ چلتا ہے۔ لوسر حشیہ پر جا کھڑے ہوئے
 یہ سمجھہ اوسست نہ ہماز اوسست کن دماغوں کا اخراج ہے۔ یہاں سے اس کا
 سراغ نہیں لگتا۔ پھر کہاں جائیں اور کہھ سر پھوڑیں۔ مگر لوہم سارا لاز
 کھوئے ہیتے ہیں مسلمانوں کو مترفع ہی سے علم کا حیکا تھا۔ ینا نی فلسفہ پڑھا
 اور فرے لئے۔ علم کلام کے موجود ہیں۔ اس کا نتیجہ دہرات سونا تھا، سو سوا۔
 روک تھام عصر و ری تھی۔ اس کو صوف کے تلے ڈھانک دیا۔ اور اس کے پرستار
 صوفی بن پیغمبر قلب غنی کے فلسفی رہے اور مسلمان کے مسلمان اور اچھے مسلمان۔
 ریاضت کی۔ حبادت کی۔ نفس کشی کی۔ خدمت خلق اللہ میں سرگرم رہے۔ روخت
 کے درعازے مکھل گئے۔ ادنیٰ بختے اعلیٰ ہو گئے۔ سندھستان میں تبلیغ انہی کے
 کے فتح قدم کا نتیجہ ہے۔ آج جو مبتیار نو مسلموں کی تسلیں موجود ہیں۔ یہ انہی کے
 حصیں باطنی کا طفیل ہے۔ اگر یہ نہ ہوتے تو مھٹی بھر مسلمان رہ جاتے اور
 اب تک قتابھی ہو چکے ہوتے۔ ان کے دم کو دعا ردو۔ کہ تم آج قوم بنئے
 پیغمبر ہو۔ یہ میاں مولویوں کا صدقہ نہیں یہ صوغیوں کی بُرکت ہے شعر۔
 ان سخرا یہ کہتا ہے کوآ حلال ہے ۷ اور دوسرا یہ کہتا ہے مرغی حرام ہے

یہ تو دھرا بندی کر کے اپنا پیٹ پالتے ہیں۔ اہل قبلہ میں مورچہ بندی کرتے ہیں۔ ان کو تبلیغ اور ارشاد سے کیا واسطہ۔ شعر۔

فتنہ شہر کہ دی مست بود و فتوی داد نہ کہ مے حرام دلے بہ زمال اوقاف ہے
یہ تو مسی میں فتوی دیا تھا اگر ہوشیار ہوتے تو مال اوقاف کو شیر ما د
سم محکم چٹ کر جاتے۔ یہ سب عملے سُو ہیں اور سہیشہ سے چلے آتے ہیں۔ ان میں
اچھے بھی ہیں مگر خال خال۔ ہم تو صوفیانہ خیالات کو بیان کر رہے ہیں۔
زدر تقریر میں کہاں سے کہاں نظر گئے۔ ان بالوں سے ہمیں مطلب۔ جیسی
کرنی دیجی سبھرنی جب مسند وستان میں یہ صوفیانہ خیالات آئے۔ تو ہیاں
یوگ اور وہیانت کا زور رکھا۔ بات ملتی صلبی سی حقی۔ وہی فلسفہ وہی عقل کے
تیر کے۔ ہم عام کے شیدائی حھڑے۔ لگے باختہ یہ بھی سکیجے ہیا۔ اثر سبونا تھا۔ مگر
ہم نے خوراً صوفیت کے سانچے میں ڈھانل دیا۔ اور بدعتیہ ہونے سے بچ
نہیں۔ نہ دامکی ڈینگیں کا رگڑہ ہو ہیں۔ آنا الحق کے نہ رے لگے۔ مگر سر کے ساتھ
سرگوں سہے گئے۔ جنم ہیاں تھے وہیں رہے۔ باں زیبی و استان کے لئے شاعر
اے لے اڑے۔ مگر اس کا نت سنی اوس کا ان اڑا دی۔ عثمان دہوہی رہت جو
بھتے۔ یہی وہ شاعری کی صوفیت ہے جس نے زمین سخن کو زنگلیں بنار کھا
ہے۔ اور شعر میں روح چونک دی ہے۔ آج بھی جو نوٹیٹے سچوٹے شاعر ہیں،
جب اپنے کی لیتے ہیں تو انہی باتوں کو دراڑیتے ہیں۔ یہ سب کچھ سبی۔ مگر
اردو زبان پر اس کا احسان ہے۔ خوشنما تشبیہات اور استعارات ان ہی
لمبند پر والے لوں کا پر تو ہے۔ نہ یہ ہوتیں نہ خیال بندی کا چھارہ زبان کو

چیلڈنیا بنا آتا۔ اردو میں جو آج تخلیل ہے وہ دوسری زبانوں میں تو کہاں فارسی
 جو اسکی مورث ہے۔ اوس کو بھی نصیب نہیں۔ جو عیتین نہ آئے تو میر درد کی
 غزلیں اور کپیر کے دو ہے پڑھ لو لیجئے یہ قصہ بھی ختم ہو۔ یہ پردہ بھی الٹ گما
 اردو آخوند عورت ذات ہے۔ اپنی تمہنیوں سے کچھ نہ کچھ لگاؤ ہونا چاہئے
 دنیا کی صحتی زبانیں ہیں۔ مرد عورت سب ایک بولی بولنے چلے آئے ہیں۔ مگر
 یہاں عورتوں کی بولی الگ، مردوں کی الگ۔ بہت زیادہ نہیں،
 محظوظی سی۔ اطفت یہ کہ عورتیں جو لفظ چاہیں بولیں مگر مرد جو اون کے خصوصی
 لفظ بولیں تو ڈوبھریں۔ اور زنانے کملا میں۔ مرد کو کسی محفل میں مردوا کہہ دے
 دیکھو کیا تھی تھے لگتا ہے۔ آخاس کا سبب کیا۔ یہ دلو لیاں کیسی جب ہم
 سندھستان میں آئے تو ہم نے یہ بھی اپنی شان سمجھی کہ پردہ کی رسم کو جاری کریں
 اور اس میں اتنا غلو کریں کہ دیکھنے والا سکتہ میں رہ جائے۔ عورت کا حنازہ
 بھی رات کو لکھے۔ چھوٹے کپڑے بھی دھوپی کے گھرنہ جامیں۔ کہیں نامحرم کی
 نظر نہ پڑ جائے۔ ہمارے دیکھا دیکھی سندھ و بھی پردہ کرانے لگئے۔ کیوں نہ کرتے
 شرافت خامد اپنی کایا یہ تغیرہ تھا۔ امیر والی کا کھانا پینا باہر رہنا سہنا باہر کھمی
 گھڑی دو گھڑی کو محل میں ہوا آئے۔ سلیمان صاحب کو مونہ دکھا آئے۔ اس کا
 لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ عورتوں کی دنیا الگ بن گئی۔ جب دنیا بنی تو ہس دنیا
 کی زبان بھی ہونی چاہئے بھتی۔ وہ ہو گئی۔ اور رختی کھلانی۔ ہمارا تو اس میں
 بھی نفع ہی ہوا۔ زبان میں دست ہونی۔ تغیرت سے اوتھ آگی۔ کھڑا پن جاتا
 رہا۔ شاید کھڑا پن متباری تمحجه میں نہ آئے۔ کھڑی بدی دھے ہے جو انگریز بولتا ہے

سُم آئے گا۔ یہم صاحب ہوا خوری کو جائے گا۔ اول تو عورتیں شر کہنے ہی کیوں
 لگی تھیں۔ شاعری میں آسان سے آسان چیز غزل بھری۔ دہ حسن و عشق
 کے باختہ بک پکی جھی۔ عورتوں کو حسن و عشق کا نام لینا حرام۔ یہ یہو میڈیوں کا طریقہ
 ہے۔ اسی سے تو وہ سوسو کوس پرے بجا گئی ہیں۔ یہ تو کو محظی والیوں
 کا سماں ہے۔ نوجوان کو اس کی ہوا بھی لگے۔ ذکر آیا اور آنکھیں نیچی گئیں
 جیسیں پسینہ سے تر۔ بھر ستر کیا۔ اور اگر اس میں شاعری نہ ہوتی تو زبان
 صریحی جاتی ہے۔ زبان کو قیام شعر کے دم سے ہے۔ مردوں نے سمجھتے کی کہ ہم
 ریخنی میں شر کہیں گے۔ اور اوس کی حیات کا سامان ہمیا کر دیں گے۔ بہت
 سیدا ہوئے مگر نام و نشان گم۔ کبھی کبھی ان کے اشعار سنتے میں آ جاتے ہیں
 ہاں جان صاحب صاحب دیوان ہوئے۔ دیوان طبع بھی ہے۔ مگر ممنوع اطیع
 قرار پایا۔ اب بھی چوری چپے مل جاتا ہے۔ مجھش هزار ہے اور افسوس ہے
 درنہ چیز قابل قدر ہے۔ دوسری جگہ چہاں یہ زبان اپنی نسبتاً ہوشناہی
 میں خلواد گری ہے۔ دہ نواب ہرزاستوق کی مثنویاں ہیں۔ زبر عشق۔ بیمار عشق۔
 نیپر بھی مجھ کا ایڈام لگا۔ اور شہر بدکی گئیں یہ ناحق ہے۔ سو ائے چند اشعار کے
 ان میں مجھ کا نام نہیں۔ ان کو دور کر کے چھاپ دیا جائے تو مفائقہ نہیں۔
 ان سے کہیں بدتر محرب اعلاق نوول چھپ رہے ہیں۔ انکا کوئی پرسان حال ہی
 اور یہ نایاب جواہرات سخن آنکھوں سے ادھل پڑے ہیں۔ چندے اور یہی سلوک رہا تو
 صعد دم ہو جائیں گے۔ سہہ داتی اردو میں یہ تفریق زیادہ نایاب نہیں۔ وجہ غائزہ
 معاشرت کا فرق جو مسلمانوں میں تھا وہاں نہ تھا۔ بھر بولی میں کیوں تفریق ہوتی

ہاں ایک اور زبان پیدا ہوئی، اوس کو سمجھی از دد کہتے ہیں۔ یہ قلعہ کی بیگنیات بولتی تھیں مختلیہ سلطنت میں سمجھیوں کی سرکاریں الگ تھیں۔ بیان کرنے کو کر دیں۔ مگر رات کوتاہ و قصہ طوالیٰ چینہ الفاظ کے سوا اس میں زیادہ جان نہیں۔ بیشک طرز ادا اور انداز بیان میں بڑا اختلاف ہے۔ اس کا تحریر میں آنا مشکل جو سوچنے۔ اگر کچھ شوق ہو تو اب بھی دہلی اور بنارس میں ٹوپی چھوٹی ٹھرہ جال ٹھیا شاہزادیاں موجود ہیں۔ جوان تو پڑھ لکھ کر طاقت ہو گئیں۔ اون سے استفادہ ہو سکتا ہے۔ کہہ دو عورت عورت سب ایک۔ چھریہ بیگنیات اور عورتوں میں کیوں خدا ہو گئیں۔ اور انہوں نے اپنی دیڑھ ایٹھ کی مسجد کیوں الگ چھی۔ داعمیہ ہے کہ یہ ایک نہیں ہوئی۔ شرفانی کی عورتیں ان سے کمارہ کش میں یہ اون دلوں کے اخلاقی پہلو کا تفاوت ہے۔ چند روز قبل تک دہلی اور لکھنؤ کی خاندانی عورتیں شاہزادیوں سے راہ در سہم رکھنی اپنا ننگ حیال کرتی تھیں اب تو بات سمجھے میں آگئی۔

اب ایک اور اردو ہے جس کو گتواری اردو کہتے ہیں۔ یہ دہلی کے اردو گرد کے قصبات میں بولی جاتی ہے۔ اس میں مردا اور عورت کی زبان کا تفاوت نہیں۔ گنواروں نے شعر اور گیت بھی جوڑ رکھے ہیں۔ اون میں اچھے اچھے بھی ہیں۔ مگر زبانوں ہی پر ہیں۔ تحریر میں نہیں آئے۔ صرف دلمیر کا دیوان ملتا ہے۔ غالباً وہ خود تو گنوار نہیں ہے۔ مگر گتواری زبان کا ماہر اور دلدار ہے۔ اگر خود گتوار سچتا تو یہ بھری اور انداز بیان نہ ہوتا۔ بعض شعر صحیت ہوئے نظر آتے ہیں۔ سب اچھے نہیں۔ یہ گتواری بولی کہاں سے آئی۔ گتواری ہنواری

ایک بھی کیوں نہ ہوئی۔ بھائی یہ تفریق ہر لکھ میں پائی جاتی ہے۔ شہر دل کی اور خصوصاً پادشاہی شہر کی زبان منجھ سنجھا کر زیادہ صاف ہو جاتی ہے۔ دیہات میں یہ فلٹر کی ہوئی زبان نہیں ملتی۔ دوسرے اہل دیہات کے مزاحیوں میں سخنی اور خشونت پائی جاتی ہے۔ وہی زبان میں بھی نظر آتی ہے۔ شہر والوں کا سانگ کی زبان میں نوع کہاں۔ لیجئے سنئے۔

آپ بے چُننا کے چھپرے چھپرے جھپوری رہی بھڑ بوسنگا کی تو چلے مرڈوڑا چال۔ یہ گیت ہے۔ ملاحظہ ہو۔ انداز سے چلنے کو مرڈوڑا چال کہنا کیا خوش نہ انداز بیان ہے۔

اب مختلف اقسام ریختہ بیان ہو چکے۔ آؤ ایک نظر زبان کے خصوصیات پر ڈالیں۔ الفاظ کی تذکیرہ دتا نیت بیش و کم سب زبانوں میں پائی جاتی ہے مگر کہنے کو بے۔ چند غیر ذی روح اشیاء کے سوا باقی اور دوں پر یہ قاعدہ نہیں جلتا اور اب دہ بھی انگریزی میں سے تو متر و کھور ہا ہے۔ کون آفتاب کوئی اور چاند کوئی شی بوتا ہے۔ وہی "اث" آرہا ہے۔ باں کہنہ میں موجود ہے۔ عربی ملاحظہ ہو۔ اس میں بھتوڑا ساختا۔ مگر اب روز بروز کم ہوتا جاتا ہے۔ آج اگر نہیں محدود میں بھتوڑا ساختا۔ ہماری اردو قابل دیدہ ہے۔ یہاں تو کوئی فقط تذکیرہ دتا نیت سے خالی ہی نہیں۔ گویا ساری زبان پر اس کی حکومت ہے پھر اس شددہ سے کہ دلی دلے ایک زمانہ ستحا کلکھتو والوں کا سرچرخ کوتیا ستحے کہ قلم اور برف کو مذکور کیوں باندھا۔ یہ تو از لی موئیت ہیں۔ آنکھوں سے اندھے سو، دکھانی نہیں دیتا۔ آخر پورب کے رہنے والے ہو۔ تم کو اردو سے

کیا مس۔ تو گدھی کہہا۔ کی جتھے رام سے کیا کوت۔ جاؤ پو۔ تھی بولو۔ بیہین،
بچتو اور پڑو کے بولنے والے علی والوں مونے آئے ہیں۔ کیچھڑ کو کچھ کہتے ہیں اور
کہو تو اڑ، کو تقلیل بتاتے ہیں۔ سینہ زدی دکھیو۔ سجنی اردو انکی بھی تمہاری بھی، تم کے
خدا نی فوجدار کہاں سے آئے جس بھر ج سے چاہیں وہ بولیں۔ جس طرح سے
چاہو تم بولو۔ لڑے کیوں مرتے ہو۔ کیا کہیں ہم تو شاعر ہیں۔ اور شاعر
نیم محبوں ہوتے ہیں۔ یہ بھی بھارے خبط کی ایک علامت ہے۔ خفا کیوں
ہوتے ہو۔ سارا ہندوستان اردو بول رہا ہے۔ ان کی مادری زبان ہے
وہ اوس پر ہر قسم کا حق رکھتے ہیں۔ تاہم دہلی اور لکھنؤ کی پریوی لازمی۔ اس
کے برخلاف جو ہے وہ سب صریح۔ اردو بولنے والے تریں یہیں پیدا ہوتے
ہیں۔ ان ہی کی بولی ٹکسالی ہے۔ حنوب سہت دھرمی ہے۔ جو ہم سو تم۔ جو چاہو
تم بولو جو چاہیں ہم بولیں۔ اعتراض کرنے والے تم کون۔ مگر دنیا کا دستور یہ
یہ۔ ہاپسے۔ جہاں بزرگ اعتبر ای باتیں ہیں۔ وہاں ایک یہ بھی ہے۔ ای
حق بھی شایعہ ہے۔ ان دونوں شہروں نے ربان کی خدمت کی ہے۔ علو جا
ود۔ ان کو یہی سمجھ کر بڑا مان لو۔ اس میں ایک اور فائدہ بھی ہے۔ اگر کہیں کی
زبان کو ٹکسالی سماں نو گے تو تفریق بے حد ہو جائے گی۔ اور مفترت رسائی
ہو گی۔ اب مذکرا اور مؤنث کی داستان سو۔

اردو زبان کا مأخذ سنسکرت ہے۔ وہاں فعل میں مذکرا اور مؤنث ہی
نہ انہیں ہے بلکہ بخت بھی ہے۔ غنیمت جاذب میاں سیحڑے نہ آن موجود ہوئے
نہیں تو وہ تالی پتی کہ کان پڑی آواز نہ آتی۔ مذاق کو جانے دو۔ جس زبان

میں فعل میں یہ تغیرت ہے لہ زمی طور پر الفاظ میں تغیرت کرنے کو سمجھیں گی۔ درست
اک فعل غیر ذی روح کے داسطے اضافہ کرنا ہو گا۔ یا غیر ذی روح کو مد کرنا ہو
مان لینا پڑے گا۔ اور فعل دس کے تابع کرنا ہو گا۔ یہاں تک تو سمجھے گئے کہ
زبان کی ابتدائی ساخت اس کو لا جدید بناتی ہے۔ یہ بات حمزہ رہبے کے زبان میں
اگر یہ چھمیلے نہ ہوں تو غیر زبان والوں کے لئے بہت آسانی ہو جائے۔ اب
یہ دیکھنا ہے کہ آخر یہ چھمیلے آئے کیونکہ۔ دیکھو زبان لکھم سے شروع ہوئی تھے
کان میں آواز پڑتی ہے۔ کان کا ان الگ ہیں کسی طک والوں کے کانوں
کو کوئی آواز خوشنامعلوم ہوئی ہے۔ کسی کو کوئی۔ عرب کے کان بڑے حسas
میں۔ اس لئے اس زبان کی حمرت پچیدگی سے پر ہے۔ یہ بات یوں سمجھیں ہیں
آنے کی۔ سمجھانے کی ضرورت ہے۔ عربی صرف دنخوا کے قواعد تو دوسری سیری
صدی سجری میں ہے۔ وہ بھی کلام پاک کو صحیح پڑھنے اور سمجھنے کی حمزہ رہبے سے۔
ہمزہ رہبی کو پڑھی۔ غیر زبان والوں کو جو عربی سمجھنے بیٹھتے تھے۔ پچھے تو
یہ کھنڈ وادیاں بے راستہ سیری کے طے ہوئی تھیں۔ بات یہ ہے کہ صوت مطبوع
اور نامطبوع صرف کی جڑ ہے۔ یہ عرب ہی کی نازک دماغی ہے کہ انہوں نے
اپنی زبان کی آوازوں کو اپنے کان کے لحاظ سے بے انتہا مطبوع بنادیا ہے۔
یقین نہ آئے تو کسی اچھے قاری کو سنسکریت پیارا لمحن ہوتا ہے۔ اور اگر اللہ میا
نے صحیح کان ہی نہیں دئے۔ تو محرومی ہے۔ گھست کے آگے میں بجا ہے
سے فائدہ نہیں۔ اور سنسکریت کیا چیز ہے۔ صوت مطبوع اور نہ کو مد ہو
کر دیتا ہے۔ کسی اور زبان میں یہ تاثیر پانی جاتی ہے۔ بھرپور تاثیر کہاں سے

آئی۔ صوت کو مطبوع کرنے سے یقسریف کی ساری تعلیلوں کا مذاہب سیچی ہے
سارے تو اند بعد کے مجنحیت ہیں۔ قاعدہ تریں ایک ہی ہے صوت مطبوع
مقبول دور مکروہ درود۔ اس کو سمجھ لیا اور کان عربی بنالیہ۔ بہت کچھ گرام
خود بخواہ گئی۔ اگر یعنیں نہیں آتا تو اور مثال ہو۔ غیر زبان کی نامطبوع صوت
کر ایسی زبان کی عطیہ بیخ صوت میں تبدل کرنا ہے۔ پھر غیر منصرف اور منصرف
تو اند۔ بہمیا۔ اذین، حاکم ذی اقتدار۔ عربی کی تلفیق تھی کو اس واسطے دی
کہ یہاں سبب تیں ہیں نظر آرہی ہیں۔ دوسری زبانوں کا یہ حال نہیں۔ اس
کے بعد اس کا مشاپدہ اردو میں ہوتا ہے۔ فا۔ یہ تو عربی کی بونڈی بست
مگر پڑھی حسین کیز ان ہوئے کا دل اس پر آتا ہے۔ پھر پڑھی ملکارذر، یہ
اور رام ہو گئی۔ رہی شیہ سنجی حس کے واسطے یہ ضرب المثل ہے۔ ہیں تو عرب
کا طفیل نظر آتی ہے۔ اوسی نے اسے چار چاند گکاوے ہیں۔ اس ذکر کو جھپڑہ
اردو سے دھیان لکھا۔ ذکر اور مؤنث کے فصہ کا حل ہی ہے۔ اس نے
ہاڑ کو حوزہ نہ ملایا ہے۔ اگر اس کو دور کر د تو زبان عربی اردو رہ
جاتی ہے۔ بجڑا اپنے کانوں سے پوچھو کھڑی اردو ہٹھی ہے یا پڑھی اردو
کہتے ہیں کہ فعل میں تدرکیر اور تائشیت ہوئے سے مطلب زیادہ واضح ہو جانا
ہے۔ جو اس کے قابلیں نہیں۔ فارسی اور انگریزی میں یہ نہیں۔ کمچھ مطلب
سمجھنے میں وقت ہوتا۔ سچ تو ایک ہی بات کہیں گے۔ یہ سب صوت مطبوع
کے کوشش ہیں۔ تم پہلے ہی کہہ چکے ہیں مکان کان الگ جیسے نک ناک
الگ۔ ایک کہتے ہو شعبہ دوسرے کے لئے پہنچو۔

اب ذرا دیا نہ کی گریروں کا فتحہ سنو۔ دیکھو فارسی کے قواعد عربی
 سے لی گئی۔ سب کچھ وہی ہے نام تک وہی ہیں۔ آخر اس کا کیا سب بکھنے
 کو یہ بات ہے کہ فارسی میں کونا علم ہے۔ جو عربی سے نہیں لیا۔ پھر یہ بھی
 لے لی تو کیا جاؤ۔ وہاں تو کچھ دھڑائی نہ تھا۔ یا سب کچھ اسلامی تہذیب کے آتے
 ہی غتر بود ہو گیا تھا۔ اچھا انگریزی کا تو یہ حال نہیں۔ وہاں قواعد کی کتابیں
 لاطینی کے سانچے میں کیوں ڈھانی گئیں۔ یہ تو مسلمہ امر ہے کہ پہلے زبان بنی ہے
 پھر کہیں صدیوں بعد گریمیر کی نوبت آئی تھے۔ بات صاف ہے۔ انگریزی علمی زبان
 نہ تھی۔ جب علمی زبان ہوئی تو لاطینی کا دور دور تھا۔ سب کچھ اسی سے لیا۔
 قواعد بھی اوسی کی لے لی۔ کہنے کو بات سعیک معلوم ہوئی تھے۔ مگر علم انگریزی
 میں مزا لاطینی سے سختوری آیا ہے۔ یونانی کو بھی تو بڑا دخل ہے۔ یونانی علم کا سرچشمہ
 ہے۔ لاطینی میں تو اکثر یونانی کتابوں کے ترجمے کئے گئے ہیں۔ اور جو پادری علم
 کے نام لیوا تھے۔ وہ لاطینی کے ساتھ ساتھ یونانی سے بھی دافت تھے۔ پھر
 گریمیر یونانی کیوں نہ ہوئی۔ اصل بات یہ ہے کہ ڈھانچ کس زبان کا ہے۔
 اس پر نظر نہیں کی جاتی۔ بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ گوشت پوست کہاں کا ہے۔
 لب اوسی زبان کی گریمیر کے قالب میں ڈھانا لاجاتا ہے۔ انگریزی کی قواعد انی
 کا جب وقت آیا۔ تو زبان کا گوشت پوست سب لاطینی ہو چکا تھا۔ لب گریمیر بھی
 لاطینی ہو گئی۔ اب اردکرو دیکھو، اس کا ڈھانچ سنسکرت کا ہے۔ مگر رگ پہنچے گوشت
 پوست سب فارسی زبان سے ہے۔ کیونکہ جس حملہ آ در قوم نے اس کو ترتیب دیا
 وہ فارسی بولتی تھی۔ چند کی بولی ترکی بھی تھی۔ اس کا اثر زیادہ نہیں ہوا۔

ترکی لفظ آکر رہ گئے۔ جیسے قنچی، چاقو، کلاہتوں۔ آکا۔ آپا۔ یہ تو اب تک موجود ہیں۔ اور سب سے مہجور ہو گئے۔ باں زیادہ لفظ جو داخل ہوئے وہ فارسی کے میں۔ جب ہندوستان میں یہ زبان آئی تو یہ بیچاری خود ہی کچھ نہ رہی حتیٰ سارا حسن و جمال عربی کا تھا۔ ہم اردو پر فارسی کے استیلا کے قائل ہیں۔ درہ مل دلوں پر استیلا عربی کا ہے۔ تم ابے سب سے جعلے بول سکتے ہو۔ جن میں فارسی کا ایک لفظ بھی نہ ہو۔ مگر مشکل سے کوئی ایسا قابل قدر فقرہ بن سکتے ہو جو عربی الفاظ سے خالی ہو۔ چونکہ یہ الفاظ فارسی میں موجود ہیں اور فارسی ہی سے اردو میں آئے ہیں۔ تم خیال کر لیتے ہو کہ ہم فارسی کے ممنون احسان ہیں۔ دراصل عربی کے ممنون ہو۔ اردو تو آہنگ۔ سنکرت کی بیٹی ہے سینکڑ گر میر کو کہتے ہیں ساری دنیا سے افضل ہے۔ بچری کو کیوں نہیں اختیار کیا۔ جو عربی کی طرف چڑھ دوڑے۔ وجہ صاف ہے۔ زبان پر سارا رنگ روپ عربی کا ہے۔ پھر گرمیراں کی ہونی لازمی تھی۔ تم ہندوستانی ہندی کو بھی ہیں سے محفوظ نہیں پاسکتے۔ ہندی کی کتاب اٹھا کر پڑھلو۔ سندوں سے گفتگو کر کے دلکش ہو۔ دلکھیو کتنے لفظ عربی کے بولتے ہیں۔ لا کہ حضور نے چاہیں، حچکھتے ہی نہیں۔ دراصل ساری رنگ آمیزی عربی کی ہے۔ بغیر اس پر قابو پائے کچھ سوہی نہیں سکتا۔ فارسی بیچاری کی تو لے دے کے ترکیب اضافی اور چند لفظ ہیں۔ یہ خود بے نایہ بھی۔ دوسرے کو مالدار کیونکر بناتی۔ مگر اس راز پر اب تک کسی نے نظر غائرہ نہیں ڈالی۔

لو ایک بات اور سن لو۔ پھر کہاں ہم اور کہاں تم۔ کبھی یہ سمجھی سوچا۔
 ختوڑے ہی دنوں پہلے اردو کے اعلیٰ اعلیٰ درجہ کے نشان اور ناظم موجود تھے۔
 یہ کسی بواچلی کے سب کے سب ایک دم ناپید ہو گئے۔ کہہ دو جو پیدا ہوا ہے۔
 اوس کو مرننا ہے جس نے ماں کی گود لکھی۔ اوس کو گور دیکھنی ہے۔ یہ
 سچ ہے اس میں کس کو کلام ہے۔ خدا کا شکر ہے۔ سب عمر طبعی سے بھی تجاوز
 کرے گئے۔ ان کا دنیا سے رخصت ہو جانا کوئی افسوس کی بات نہیں۔ پیٹنا تو
 اس کا ہے، اب دیسے کیوں نہیں پیدا ہوتے۔ کیا لوگوں نے پڑھنا لکھنا
 چھوڑ دیا۔ یا کچھ آب و ہوا میں فتو رہا گیا۔ دیسے عالیٰ دماغ پیدا ہونے بدل
 ہو کے۔ نہیں بھائی آب و ہوا دی ہے۔ پڑھنا لکھنا بھی ہماری جسم بددور
 کچھ زیادہ ہی۔ زبان کی بھی پرستش ہے۔ جو اچھے ادیب ہیں، اون کی قدر
 ہوتی ہے۔ پھر پہلا کیا ہے، حاتی دارغ اور آزاد یعنی کیوں ہماری مائیں
 نہیں جنتیں۔ بات یہ ہے ذرا غور کرو۔ ان کا مبلغ علم کیا تھا۔ ان میں سے
 انگریزی تو کوئی نہیں جانتا تھا۔ ہم میں اب ایک ایک انگریزی کا فاضل ہے
 ان بیچاروں نے تو عربی اور فارسی پڑھ رکھی تھی۔ سبلا عربی اور فارسی
 میں علم کے وہ خزانے کہاں جو انگریزی میں ہیں۔ یہ ہے تو جدید حیالات
 کی کمی۔ نہیں۔ اردو زبان ہماری مادری زبان ہے۔ آؤ وہ سب جو انگریزی
 نے سکھایا ہے۔ اگل دیں۔ اگل دیں تو مہبت۔ مگر اگلنا آتا بھی ہو۔ جم شہید کی تھیاتی
 تو میں۔ ہمارے پیٹ میں شہید بھی صحرا ہوا ہے۔ مگر استاد نے لکھنا تو سکھایا،
 اگلنا سکھنا مجبول گئے۔ جو ذرا ذہور سکھایا بھی۔ تو بھجوڑا۔ یا تو ہم بے تکی اردو دیں

انگریزی کتابوں کے ترجمے کر دیتے ہیں۔ یا الغونادل لکھ کر اپنا دل خوش کر لیتے ہیں۔ کہ ہم بھی پانچویں سواروں میں ہیں۔ حلپوگھس پیٹ کر کے مصنفوں کی فہرست میں اپنا نام لکھوالیں۔ میاں زمانہ ایسا بھولانہیں۔ وہ ممکنہارے نام کو وہاں قدم بھی دھرنے نہیں دے گا۔ پھر ہم شاعری بھی تو کرتے ہیں مشاعروں میں جا کر غزلیں پڑھتے۔ وہ وہ سنتے ہیں۔ مگر کس کام کی۔ تحفین ناستناس۔ کریں تو کیا کریں۔ غزل کا خخنا نہ تو ہتھی ہو گیا۔

تھی خختا سہا کر دندور فتند

ہم ایسے زمانہ میں پیدا ہوئے کہ بڑوں نے کچھ چھوڑا ہی نہیں۔ خواجہ عاصی کی موت الکبریٰ کا الزام ہمارے سر رکھتا۔ بھائی اپنا الزام دوسروں کے سر دھرتے ہو۔ کہیں خدا کے خزانے بھی خالی ہوئے ہیں۔ اگر شاعری کی ایک صنف پڑھو گئی ہے۔ دوسری صنف اختیار کرو۔ کوئی نئی صنف ایجاد کرو۔ پرانی لکیر پر خقیر ہونے سے کیا فائدہ۔ ممکنہارے سامنے انگریزی کے خزانے ہیں ادن سے کام لو۔ وہاں سے سہنی توڑ کر لا د اور اپنے کہنہ درخت پر پیوند چڑھاؤ۔ مگر یہ نہیں کر سکو گے۔ تمہاری اکانج کی تعلیم اس کام کے لئے کافی نہیں۔ وہاں تم خوشنہما اور دلکش اردو لکھنی سکیجھ ہی نہیں سکتے۔ ممکنہارا خیال یہ ہے کہ تھوڑی بہت فارسی پڑھدی وہ بھی امتحان میں پاس ہونے کی خاطر اور اردو آگئی۔ اگر کسی نے بڑا تیر مارا تو عربی میں اف۔ اے۔ بی۔ اے۔ پاس کر لیا۔ وہ بھی ایسی پڑھی جونہ پڑھنے سے بدتر۔ ترجمہ یاد کر لیا۔ امتحان دے آئے۔ پاس مارکس لے لئے۔ گریمہر ممکنہاری بلا جانے۔ بھائی مسونہ دھوکھو

امتنے پڑھنے سے تو ردو آتی نہیں۔ انگریزی کے ساتھ ساتھ جب تک تم عربی اور فارسی میں پوری دستگاہ نہ حاصل کرو گے اردو لکھنے کے قابل تو جن نہیں سکتے۔ اور لکھو گے بھی تو اونہ صی سیدھی جس کے پڑھنے کو کسی کا دل نہیں چاہے گا۔

میں اب جو مجھے کہنا تھا وہ کہہ چکا۔ مان نہ مان توجاں۔
مولوی صاحب نے اعلیٰ حضرت کو مخاطب کر کے یہ شعر پڑھے۔ اور آداب
بجا لا کر اپنی کرسی پر ہو ہیجئے۔

شنا گفت مرا باشد سزا فارسا + اگر دردار مودر ہائے شہزاد
و گرنہ خاموشی صد بار خوشنہ + ازیں کج مج بیا بینا اے ابڑ
پہلے اعلیٰ حضرت کھڑے ہو گئے اون کے ساتھ سارے حاضرین حشم
بر قدم انھ کھڑے ہوئے جصور والاحزماء خرمائ کمرہ کے باہر چلے گئے۔ پھر سب
اپنے لھر روانہ ہوئے۔ سب کے بعد مولوی صاحب دائغ صاحب کے ساتھ
چلے۔ راستہ میں دائغ صاحب نے مولوی صاحب کی شیوه بیانی کی بہت لطف
کی اور نکتہ آفرینی کو بھی سراہا۔ پھر یہ مشورہ دیا کہ حیدر آباد میں چندے قیام
کریں۔ فرمایا میں دوبارہ باریانی کی کوشش کرو گنا۔ مگر یہ ماننے والے کہتے
اکھوں نے اپنے اور پر طمع کا در دازہ بند کر رکھا گنا۔ دوسرے ہی دن حیدر آباد
روانہ ہو گئے۔

درستہ مال وجہ نیم شاد می زیم + آزاد می نشیم و آزاد می روم
ختم شد